

ہر ایرانی مادی میلمی کو شائع  
ہو تا ہے

مجلس کنیزب الانصا بھیر و ادارہ عالیہ محمدیہ کا ترجمہ

قیمت لائبریری دو روپے  
طلبہ و پڑھاروپیہ

# شمس الاسلام



## مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ

یہ زمانہ مادہ پرستی اور سرمایہ داری کا ہے، دین و دنیا کا کوئی کام بھی بغیر سرمایہ کے چل نہیں سکتا۔ یہی حالت نیل ہے کہ ہم جن مقاصد عظیمی کو یکسر اٹھتے ہیں اور جو پیغام حیات مسلمانوں تک پہنچانا چاہتے ہیں، اس کے لئے کتنے سرمایہ کی ضرورت ہے جس کے بل بوتے پر خدا تعالیٰ کا پیغام خدا کے بندوں تک ہمیں مسلسل پہنچتا رہے۔ مگر آہ ہم غریبوں کے پاس اتنا سرمایہ کہاں۔ ہر مستزاد یہ کہ شمس الاسلام کے سر پر کسی سرمایہ دار کا ہاتھ ہے نہ حکومت کی خوشامد و چاہلوسی کی روپوشی و سنہری مصلحتیں جو اس کے اخراجات کی کفیل ہوں۔ نہ اس میں جن و عشق کی غریباں تصویریں اور داستانیں ہی میں، جو زمین مزاجوں کو اپنی طرف کھینچ لیں اور نہ اس کا کوئی تجارتی پہلو ہی ہوگا کہ وہ کتابوں کی تجارت سے اپنے اخراجات پورے کر لے۔ لے دے کے اسے ایسے خدا دان اسلام ہی کا سہارا ہے جو اپنے سینوں میں تبلیغ اسلام کی ترب اور خدمت دین کا درود احساس رکھتے ہوں۔

ہم ان مسلمانوں سے پوچھنا چاہتے ہیں، جو تبلیغ دین اور خدمت اسلام کا سچا جذبہ اپنے سینوں میں رکھتے ہیں، جو دنیا میں اپنے لئے ہیں کہ کفر و شرک کی طاغوتی طاقتوں اور شیطانی قوتوں کو پاش پاش کر کے خدا کی حکومت قائم کر دیں اور جو اسلام کی حمایت و حفاظت میں اپنا جان و مال سب کچھ قربان کر دینے کے خود کو جہاں ہم جہاد کو بہتر بنانے کی کوشش کر رہے ہیں، وہاں آپ بھی اپنے فرض سے غافل نہ رہیں ہم دیکھیں گے کہ کتنے مسلمان اللہ کے نام پر شمس الاسلام کی امداد و توجہ کی طرف دست کرم بڑھاتے ہیں۔

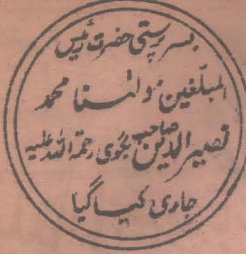
شمس الاسلام کے موجودہ سائز یا حجم میں کمی یا بیشی کا انحصار تقاریر و اشاعت پر ہے۔ اگر معاونین نے ہماری اپیل پر صلے بیک بند کی، تو انشاء اللہ جہاد کی حالت زیادہ بہتر ہوتی جائے گی۔ (منیجر)



# مِنْ جَانِبِ

## حزب انصار بھیرہ پنجاب

(اللہ کے دین کے مددگاروں کا گروہ)



اغراض و مقاصد { (۱) اندرونی و بیرونی حملوں سے اسلام کا تحفظ، تبلیغ و اشاعت اسلام۔ (۲) اصلاح رسوم باقبل شرعیات اسلامیہ، احیاء اشاعت علوم دینیہ۔

طریقہ کار { (۱) جریدہ شمس الاسلام کا اجراء (۲) دارالعلوم عربیہ جامع مسجد بھیرہ، جو اپنے مختلف شعبوں، نصاب التحیل، (۳) مبغین کے ذریعہ ملک کے طول و عرض میں اسلامی زندگی پیدا کی جا رہی ہے (۴) سالانہ عظیم الشان کانفرنس (۵) میر حزب الانصار کا مبغین کے ہمراہ سالانہ تبلیغی دورہ (۶) یتیم خانہ (۷) کتب خانہ (۸) جامع مسجد بھیرہ کی مرمت و تعمیر (۹) مسلم نوجوانوں کی تنظیم۔

## جریدہ کے قواعد و ضوابط

(۱) جو صاحب حزب الانصار بھیرہ کو کم از کم پانچ روپے ماہانہ عطا فرمائیں گے وہ سرپرست تصور ہونگے، ایسے اصحاب کا نام جریدہ شمس الاسلام میں مشائخ ہوں گے۔ ایسے حضرات کی سفارش پر ہر ۲۵ ماہانہ مساجد، غریب یا طلباء کے نام جریدہ بلامعاوضہ جاری کیا جائے گا۔ پانچ روپیہ سے کم اور ایک روپیہ سے زیادہ جو صاحب ہوا رقم مختلف عظیم الشان کانفرنسوں میں شہر ہونگے اور انکی سفارش پر ۱۰-۱۵ ماہانہ مساجد، غریب یا مفسس طلباء کے نام رسالہ جاری کیا جائیگا۔ معاذین کے ہمارے بھی شکر یہ کہ ساتھ دینے کے لئے جاتے ہیں۔

(۲) اگر کان حزب الاتصا کے نام جریدہ مفت بھیجا جائے، چندہ کی صورت کم از کم چار روپے ماہانہ یا تین روپے سالانہ مقرر ہے۔

(۳) عام سالانہ چندہ عطا مقرر ہے۔ نمونہ کار پرچہ تین آنے کے ٹکٹ موصول ہونے پر بھیجا جائے۔

(۴) رسالہ باقاعدہ جاری پڑتال کے بعد بذریعہ ڈاک بھیجا جاتا ہے۔ آنرز رسائل راستہ میں تلف ہو جاتے ہیں ان کی طرف سے ہینڈ کے اخیر تک اطلاع موصول ہو دوبارہ بھیجا جاتا ہے۔ اطلاع ملنے کی صورت میں دفتر ذمہ دار نہ ہوگا۔

جملہ خط و کتابت و ترسیل ذیل بتام

مینجر رسالہ شمس الاسلام - بھیرہ (پنجاب) ہونی چاہیے۔

سُخ نیل کا نشان { یہاں ان حضرات کے پرچہ پرنٹنگ پریس کا نشان لگایا گیا ہے جسکی معاد اس پرچہ کے ساتھ ختم ہو چکی ہے ان حضرات کی خدمت میں درخواست ہے کہ آئندہ سال کا سالانہ چندہ بذریعہ منی آرڈر جلد روانہ فرمائیں۔ اگر خدا نخواستہ کسی وجہ آئندہ خریداری کا ارادہ نہ ہو تو بذریعہ پوسٹ کارڈ میں اپنی فرصت میں مطلع کریں، اخلاقی سے شمس الاسلام کو نقصان پہنچنا ہے۔ (غلام حسین منیر شمس الاسلام)

# شمس الاسلام

جلد ۱۱ | بحیرہ پنجاب - بابت رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ مطابق اکتوبر ۱۹۶۶ء | نمبر ۱۰

## اسلام اور اشتراکیت

(۹)

یہ سلسلہ مضامین زمزم کے علاوہ "مسلمان" اور "شمس الاسلام" میں بھی شائع ہوتا رہا ہے، لیکن حرم چوہدری صاحب نے جب اس پر بار بار اظہارِ رائے فرمایا تو میں نے "زمزم" میں اعلان کر دیا کہ آئندہ یہ سلسلہ صرف "زمزم" کو اشاعت کے لئے بھیجا جائیگا۔ اسی بنا پر میں "شمس الاسلام" اور "مسلمان" میں شائع نہیں ہوئی۔ محمد بن زفرم نے کہ اس سلسلہ مضامین کو آئندہ شائع کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اس لئے اب اس کو مجبوراً پھر "شمس الاسلام" میں جاری کیا جا رہا ہے۔ تاکہ بحث پایہ تکمیل کو پہنچ سکے۔ (دقاسی)

وغیرہ بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ثابت ہیں، لیکن جس طرح آپ انسان کو عالم، متکلم، دیکھنے والا، سننے والا، ارادہ کرنے والا اور چاہنے والا کہتے ہیں (ابا و جودیکہ یہ صفات حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں) اسی طرح آپ انسان کو ملک بھی کر سکتے ہیں چنانچہ سورہ نیس شریف کی آیت "فصل لہا مال لکون" سے یہ چیز صاف ثابت ہے اور بیع و شراء، ہبہ اور وقف، اجارہ اور مزارعہ، قرض اور عاریتہ، وغیرہ دین دین کے تمام شرعی احکام کا دار و مدار اسی انسانی ملکیت کی بنیاد پر ہے پس اگر خدا کی مالکیت سے انسان کی شخصی جائیداد اور انفرادی ملکیت کی نفی پر استدلال جائز ہو سکتا ہے (جیسا کہ چوہدری صاحب نے کیا ہے) تو کیا ٹیکہ اسی طرح ایک رند مشرب اور آوارہ مزاج انسان پر نہیں کر سکتا کہ :-

"جب عورتیں بھی حقیقت میں خدا ہی کی ملکیت ہیں تو کسی شخص واحد کو کیسے حاصل ہے کہ وہی عمر بھر ایک عورت پر قابض رہے اور اسے اپنے ہی لئے "ریزو" رکھے اور کنکاح کی بندش بھی ایک قسم کی سرکاری ہے"

**شخصی ملکیت کے خلاف** شخصی ملکیت کے خلاف چوہدری صاحب کی پہلی دلیل وہ اصل گذشتہ قسط میں باورِ نقل کئے جا چکے ہیں اور ان کا اصولی جواب بھی ساتھ ہی عرض کیا جا چکا ہے۔ اب ان دلائل کا کسی قدر تفصیلی جواب پیش خدمت ہے۔ آپ کا دعویٰ اور اس دعویٰ کی پہلی دلیل یہ ہے :-

"اسلام شخصی جائیداد کے تصور ہی کی نفی کرتا ہے۔ (یہ ہوا دعویٰ - قاسمی، امض و سما کا ملک وہ (خدا) اپنی ذات کو قرار دیتا ہے (یہ ہوئی دلیل) تاکہ نہ رہے باش نہ بچے بالہری"

اسلام میں شخصی جائیداد کے تصور کی نفی صرف چوہدری صاحب کی قوتِ دہمہ کا نتیجہ ہے، ورنہ اسلام نہ صرف شخصی ملکیت اور انفرادی جائیداد کو تسلیم کرتا ہے، بلکہ اموالِ مشترکہ سے زیادہ ان کا تحفظ فرماتا ہے (جیسا کہ سابقہ قسط میں اس کو دلائل شرعیہ سے ثابت کر چکا ہوں) اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہر چیز کا حقیقی ملک اللہ تعالیٰ ہے اور یہ صرف صفتِ ملکیت ہی کی کیا خصوصیت ہے، دیگر تمام صفات مثلاً علم، سمع، بصر، ارادہ، مشیت، کلام،

یہ ہیں چودھری صاحب کے سوا اور کس سے پوچھوں کہ کیا اس دلیل سے آپ کا استدلال کچھ مختلف، مجتہدیت اور کچھ زیادہ وزن دیتا ہے؟

**فرقہ اباحیہ کے فلسفہ کی صدائے بازگشت**  
شخصی ملکیت کے خلاف چودھری صاحب نے دوسری دلیل حسب ذیل الفاظ میں پیش کی ہے:-

”اگر زمین خدا کی ہے اور انسان ابن آدم ہیں تو زید کا بکرہ سے الگ حق غیر قدرتی ہے“

یہ دلیل کچھ نئی نہیں ہے، بلکہ فرقہ اباحیہ نے بھی آج سے سینکڑوں برس پہلے شخصی ملک کے خلاف یہی دلیل پیش کی تھی چنانچہ علامہ ابو شکور سالمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

”وقال بعضهم ان العبد اذا بلغ غاية المحبة جعل له نساء غيرة وامانة غيرة وقال بعضهم ان مال الدنيا كلهما متعلق ببدن ادم وليس لاحد ان يملك نفسه لان ادم وحواء لهما مائتا قصباً من اموالهما ميراثاً لا ولا دهما و هذا منهم كثر“  
(تہذیب ابو شکور سالمی ص ۱۳۱)

علامہ محمود رحمۃ اللہ علیہ نے شخصی ملکیت کے خلاف اور زید کے جائز میں فرقہ اباحیہ کی اس دلیل کو نقل کر کے جواب میں فرمایا ہے:-

”ولو لم يكن الاموال للناس ولما نكلت لا يحق المنع من احد والله تعالى يقول“

”ولا تاكلوا اموالكم بينكم بالباطل“ وقال جل جلاله ”والتارق والتارقة فاقطعوا ايديهم ما جزاء بما كسبوا (مكا لا من الله) ولكن لك اوجب الرجم والجلد في باب الزنا“  
(تہذیب ابو شکور سالمی ص ۱۳۱)

”کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے مال ناقص طور پر نہ کھاؤ“ اور حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ ڈالو، ان کے گردن کے عوض (بدون سزا کے اللہ کی طرف سے) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے زنا کے باب میں زانی اور زانیہ کے لئے سنگساری اور دسے کی سزا واجب ٹھہرائی ہے“

غرض شخصی ملکیت کے خلاف محترم چودھری صاحب کی اس دلیل نے کہ:-

”جو مکمل نام انسان ابن آدم ہیں، اس لئے اموال میں سب

کام حق مشترک ہے اور زید کا بکرہ سے الگ حق غیر قدرتی ہے“

فرقہ اباحیہ کے ”فلسفہ“ کو پھر ایک دفعہ زندہ کر دیا اور اس نے فتنوں کا خطرناک دروازہ کھول دیا ہے۔ کاش! محترم چودھری صاحب نے اس قسم کے ”دلائل“ پیش کرنے سے پہلے اپنے ہی حسب ذیل ارشاد کو اپنا رہنما بنایا ہوتا کہ:-

”دلیل بازی سے اکثر اوقات دل کی دنیا پر تعصب کی تار بکھینچا جاتی ہے اور نزدیک کی چیز بھی دکھائی نہیں دیتی“ (دزمزم ۱۹ جولائی صفحہ ۱)

اگر محترم چودھری صاحب قرآن پاک اور احادیث کی طرف رجوع فرماتے، تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ اموال میں شخصی

**انسانوں کا جہادگانہ حق بروئے اسلام**

اور جہادگانہ حق اسلام نے تسلیم کیسے۔ مثلاً قرآن مجید میں حق تعالیٰ نے فرمایا:-

”وَاتَّقُوا النِّسْبَةَ اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَسْبَدُوا بِالنِّسْبَةِ“  
(مملوک، اموال ان ہی کو پہنچاتے رہو، یعنی انہیں کے خرچ میں نہ گھاتے رہو، اور جب تک تمہارے قبضہ میں ہیں)

”اور جن بچوں کا باپ مر جائے، ان کے اموال ان ہی کو پہنچاتے رہو، یعنی انہیں کے خرچ میں نہ گھاتے رہو، اور جب تک تمہارے قبضہ میں ہیں)

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ رِئَاۓَ أَنْ تَكُونَ مِنْكُمْ  
کینڈیوان (سورۃ النساء رکوع ۱)

تم (ان کی) ابھی چیز سے بری چیز کو مت ہلو اور ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ مت کھاؤ، یہ بڑا وبال ہے

ان آیتوں میں یتیموں کے سرپرستوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ یتیموں کے مال کو اپنے مال سے تبدیل نہ کریں۔ نہ ان کے مالوں کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر کھائیں اور ایسا کرنے کو وہ بڑی عظیم ٹھیرا یا گیا ہے۔ اس قسم کی اور بھی متعدد آیات قرآن مجید میں موجود ہیں، جن سے "زید کے حق کا بکسے حق سے الگ ہونا" صاف طور پر ثابت ہے، لیکن چودھری صاحب اس کو "غیر قدتی" قرار دے رہے ہیں۔

قرآن پاک کے بعد احادیث پر غور کرنے سے ہمیں حدیث ذیل جیسی کئی حدیثیں نظر آتی ہیں:-

"کُلْ أَخْبِ أَخًا بِمَالِهِ مِنْ  
وَالْوَالِدَیْہِ وَوَلَدَیْہِ وَالْأَقْرَبَیْنَ بِمَنْعَتِہِمْ  
اپنی اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ حقدار ہے"

ایک طرف قرآن وحدیث ہے، دوسری طرف چودھری صاحب کا "عقل" استدلال۔ ایک جانب اذعان و یقین ہے، دوسری جانب فتن و تجوین۔ اب یہ مسلمانوں کے سوچنے کی چیز ہے کہ کس کو صحیح تصور کیا جائے اور کس کو غلط؟ اسی قبیل کے "استدلالیوں" کی غلطیوں اور ٹھوکروں کو دیکھ کر حضرت مولانا سدی نے خوب فرمایا ہے کہ

ہے پائے استدلال لیاں چو میں بود  
پائے چو میں سخت بے تکلیں بود

شخصی ملکیت کے خلاف  
مالک اور امین کی بحث آپ کی تمہیری دلیل کا خلاصہ

یہ ہے کہ "مالک اعلیٰ خدا ہے، انسان نہیں۔ انسان صرف امین ہے، اس لئے جائداد اور دولت کو وہ حسب منشا خرچ نہیں کر سکتا" یہ طرز استدلال و فریب ضرور ہے۔ لیکن معمولی غور و فکر کے بعد اس کی کوہی ظاہر ہو جاتی ہے۔ مجھ ناچیز کو یاد حضرات علماء

اسلام کو خدا تعالیٰ کے مالک اعلیٰ اور انسان کے امین ہونے سے انکار نہیں۔ چودھری صاحب ناحق بدگمانی سے کام لے کر یہ فیصدی علماء کرام کو اور مجھے انگریز کے قانونی نظریہ کا حامی ٹھہراتے ہیں جسٹز علماء اسلام اور یہ عاجز انسان کو خدا تعالیٰ کے مقابل میں مالک نہیں بلکہ اُس کی دی ہوئی دولت کا امین "ہی جانتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ انسان حق تعالیٰ کی تمام عطا کردہ نعمتوں کے لئے اُس کے سامنے عاجز ہے۔ البتہ علماء اسلام اور یہ عاجز قرآن وحدیث کی روشنی میں انسان کو دوسرے انسان کی نسبت سے دولت اور جائداد وغیرہ کا "مالک" ضرور سمجھتے ہیں اور یہ بھی تا ہیں کہ ہر مالک "اپنی جائداد اور دولت کو تمام اُن کاموں میں جن کو خدا اور اُس کے رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز اور مباح قرار دیا ہے، حسب منشاء خرچ کر سکتا ہے" (دیکھیں اس کو قطعاً میں دلائل شرعیہ سے ثابت کر چکا ہوں، ان پر غور فرمایا جائے) رہا انگریزی قانون، تو علماء اسلام اور اس عاجز کی نظر میں اس کی حیثیت اشتراکی قانون سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ اشتراکی قانون کی بنیاد ہی مادہ پرستی پر قائم ہے، لیکن انگریزی قانون میں ازاں تا آخر مادہ پرستی کی روح کام کر رہی ہے۔ ان میں سے کسی ایک کی بہنوئی کا علماء اسلام یا اس عاجز پر الزام عائد کرنا افسوسناک اقرار ہے۔

چودھری صاحب نے  
مسائل دین سے چودھری صاحب  
کی افسوسناک بے خبری

چوتھی دلیل میں الفاظ پیش کی ہے:-

"کسی مسلمان نے مال و املاک کو ٹھیکہ جائداد نہیں سمجھا اگر مسلمان کی جائداد شخصی ہوتی، تو اس پر انکم ٹیکس ہوتا، ورنہ نہ ہوتی۔ کیونکہ نکوۃ تو صاف اصل زر سے حدیثاً

ہے آملن سے صوبہ نہیں  
اب تک تو تمام مسلمان شخصی مال و املاک کے قائل رہے ہیں اس کے خلاف جن مسلمانوں کا چودھری صاحب ذکر فرما رہے ہیں، ان کا خاسخ میں کوئی وجود نہیں، اگر ہے، تو ان کا نام و نشان

کو ملکیت کے باب میں اصل اصول مان چکے ہیں اور اسی اصل کی بنیاد پر آپ انگریزی قانون کو رد کرتے ہوئے علماء اسلام کو ان کی ہمنوائی کا قطعہ بھی دے چکے ہیں، لیکن اس کے خلاف یہاں اس اصل اصول کو پس پشت ڈال کر اسلام اور اشتراکیت کے اصول ملکیت کو خلاف قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ اشتراکی نظام نہ صرف یہ کہ خدا کو مالک اعلیٰ نہیں مانتا، بلکہ سرے سے خدا ہی کا منکر اور دشمن ہے۔

انگریزی قانون تو اس وجہ سے اسلام کے خلاف امتنا قابل تسلیم نہیں کہ وہ خدا کو "مالک اعلیٰ" نہیں مانتا، بلکہ انسانوں کو مالک اعلیٰ قرار دیتا ہے۔ لیکن اشتراکی نظام چودھری صاحب کے قلم کی ایک جنبش سے باوجود اس کے منکر خدا ہونے کے عین اسلام میں گیا ہے

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں !  
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اشتراکیوں کے معاملہ میں خدا کو مالک اعلیٰ ماننے کے اصول کو غیر ضروری قرار دینے کے بعد چودھری صاحب نے ایک اور "اصول" وضع فرمایا ہے تاکہ اسلام اور اشتراکیت کے مابین توافق و تطابق ثابت کیا جاسکے اور وہ یہ کہ:-

"تمام جائیدادوں کا مالک خلیفہ اور خلافت شرعیہ ہے"

اور اس "اصول" کو محترم چودھری صاحب اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں، حالانکہ یہ اصول اسلام میں کہیں ثابت نہیں۔ بل ان احوال عامہ کا بیعت المال کے لئے ہونا اور ان کی تولیت خلیفہ کے لئے ضرور ثابت ہے۔ رہے شخصی اموال، سو ان میں نہ بیت المال کا حق ہے (سوائے اس صورت کے کہ ان کا کوئی بھی مالک زمرہ نہ ہو) نہ خلیفہ کو ان اموال پر کوئی حق حاصل ہے (اس پر آئندہ کسی قسط میں انشاء اللہ روشنی ڈالی جائے گی) پس جب یہ اصول اسلامی ہے ہی نہیں، تو اسلام کے ساتھ اشتراکیت کا رشتہ کس طرح ثابت ہو سکتا ہے؟

خلیفہ کا حق چودھری صاحب کی چینی دلیل یہ ہے:-

بتایا جائے۔ دہی چودھری صاحب کی دلیل، تو افسوس ہے کہ اس سے آپ کی مسائل دین سے ناواقفیت اور بے خبری پورے طور پر ظاہر ہو رہی ہے۔ آپ سے کس پہلے مانس نے یہ کہہ دیا کہ زکوٰۃ ہمیشہ اصل مذہب ہوتی ہے، آئین پر نہیں؟ واقعہ یہ ہے کہ زکوٰۃ بعض صدقوں میں اصل زہر پر فرض ہے اور بعض صورتوں میں آئین پر۔ نقد و پیہ، سونا، چاندی، زیورات، مال تجارت اور ان مکانات کے اصل زر و قیمت پر زکوٰۃ ضروری ہے، جو تجارت کی غرض سے خریدے گئے ہوں، لیکن وہ مکانات جو تجارت کی نیت سے نہیں، بلکہ کرایہ حاصل کرنے کی نیت سے خریدے گئے ہیں، ان کی اصل قیمت پر نہیں، بلکہ آئین پر (بیشرطیکہ وہ بقدر نصاب ہو زکوٰۃ فرض ہے اور قابل زراعت زمین کی اصل قیمت پر تو کسی حالت میں بھی زکوٰۃ فرض نہیں، بلکہ اس کی پیداوار پر ہے اس زکوٰۃ کو ایک صورت میں "عشر" اور دوسری صورت میں "خراج" کہا جاتا ہے، حالانکہ بقول چودھری صاحب:-

"زمین ہی ہر قسم کی ملکیتوں کی پودہ گاہ ہے۔" (زمرہ الارضی ص ۷۷ کا م ۲)

جی رانی ہے کہ چودھری صاحب نے شریعت مطہرہ کے ان مشہور اور واضح احکام و مسائل کے ہوتے ہوئے مطلقاً یہ کہنے کی جرأت کس طرح فرمائی کہ:-

"زکوٰۃ تو صاف اصل زر سے حصہ نکالتا ہے، آئین سے حصہ دینا نہیں"

**اصول ملکیت** چودھری صاحب کی پانچویں دلیل آپ ہی کے الفاظ میں یہ ہے:-

"چاہے تفصیلات میں اختلاف ہو، مگر اسلام اور اشتراکیت میں ملکیت کا اصول ایک ہے۔ وہ لوگ خدا کو نہیں مانتے اس لئے براہ راست حکومت کو جائیداد کو ماحکم سمجھتے ہیں۔ اسلام میں ملکیت خدا کی طرف منسوب ہے۔ اس کی وساطت سے حکومت برحق یا خلافت شرعیہ کو وہ ملکیت ملتی ہے"

چودھری صاحب اس سے قبل خدا تعالیٰ کے "مالک اعلیٰ" کو



”خلیفہ وقت کا حق ہے کہ وہ پرائیویٹ اخراجات کی بھی جانچ پڑتال کرے، کیونکہ اسلام میں کسی مسلمان کی پرائیویٹ پراپرٹی یعنی شخصی ملکیت اور بیت المال کی املاک میں کوئی فرق نہیں۔ جو بھی مسلمان کے پاس ذاتی جائداد ہے، وہ خدا کی ہے اور خدا کی معرفت خلیفہ کی ہے۔ اس پر خلیفہ کو مواخذہ کرنے کا حق ہے۔“

یہ دعوے کہ ”بروئے اسلام شخصی ملکیت اور بیت المال کی املاک میں کوئی فرق نہیں، قطعاً غلط ہے۔ گزشتہ قسط میں چودھری صاحب کی اس شدید غلطی کا جواب دے چکا ہوں۔ رہا یہ کہنا کہ مسلمان کی ذاتی جائداد خدا کی ہے اور خدا کی معرفت خلیفہ کی، سو اس کی حیثیت بھی ایک مناسطہ سے زیادہ نہیں۔ ذاتی اور شخصی جائدادوں میں خلیفہ کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس مسئلہ پر تفصیلی اور مقل بحث انشاء اللہ چودھری صاحب کی پیش کردہ روایات کے جواب کے سلسلہ میں کی جائے گی

پرائیویٹ اخراجات اگر منہج اور جائز کاموں کے سلسلہ میں ہوں، تو خلیفہ ان پر مواخذہ نہیں کر سکتا۔ البتہ اگر دولت ناجائز اور معصیت کے کاموں پر صرف ہو رہی ہو، تو خلیفہ کو اعتراض کا حق حاصل ہے، لیکن اس سے چودھری صاحب کا مقصد شخصی ملکیت کا انکار ثابت نہیں ہو سکتا۔

**اسراف اور خیانت میں فرق** | اب ذیل میں چودھری صاحب کی آخری مگر دلفریب

دلیل ملاحظہ فرمائیے :-

”اگر شخصی ملکیت اور بیت المال کی املاک میں کوئی فرق ہوتا تو اسراف اور خیانت کی سزا ایک ہی تجویز نہ ہوتی۔ اسراف اور خیانت اگرچہ الگ الگ اصطلاحات ہیں، مگر نوعیت ان کی ایک ہی ہے (تا، پس مسلمان کا مال بیت المال ہی کا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو خالد بن ولید پر مواخذہ نہ ہوتا۔ اسراف اور خیانت کی ایک ہی سزا تجویز نہ ہوتی“

خیانت اور اسراف کی سزا کا شرعاً ایک ہونا محتجج دلیل ہے

چودھری صاحب نے اپنے اس نظریہ کی تائید میں قرآن پاک یا حدیث سے کوئی دلیل پیش نہیں فرمائی۔ اسراف اگرچہ گناہ اور باعث عقوبت ہے، لیکن اس کی عقوبت اور سزا کا تعلق بعض دیگر گناہوں کی طرح براہ راست منتقسم حقیقی کے ساتھ معلوم ہوتا ہے۔ دنیوی سزا کی تصریح میرے محدود مطالعہ سے نہیں گزری۔ اگر محرم چودھری صاحب یا کوئی اور صاحب اس سلسلہ میں میری رہنمائی فرمائیں گے تو میں ان کا ممنون ہوں گا۔ البتہ خلیفہ وقت اسراف پر زہر و تونج کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر خلیفہ کے فرائض میں داخل ہے۔ غرض اسراف اگرچہ گناہ ہے، اس لئے کہ وہ خدا تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی ہے، لیکن اس کی نوعیت، نجات سے مختلف ہے۔ ایک سرف انسان اپنی ذاتی دولت کو برباد کرتا ہے۔ کسی دوسرے شخص کے مال کے اتلاف کا وہ مرتکب نہیں ہوا۔ اس کے خلاف خان انسان اگر کسی کے شخصی مال میں خیانت کرتا ہے تو اس نے حقوق العباد کا اتلاف کیا۔ اور یہ اسراف کی نسبت کہیں زیادہ سنگین جرم ہے اور اگر اس نے بیت المال کے مال میں خیانت روا رکھی (جس کو اصطلاح شریعت میں ”غلول“ کہا جاتا ہے) تو یہ شخص ڈسپن کو توڑنے کا مجرم ہے اور اس کے لئے شریعت میں سزا ثابت ہے۔ البتہ شریعت نے سزا کی تعیین و تحدید نہیں فرمائی بلکہ اس کو امام اور خلیفہ کے اجتہاد پر چھوڑا ہے۔ غرض اگرچہ اسراف اور خیانت دونوں گناہ ہیں۔ مگر دونوں کی نوعیت میں فرق ہے۔

**حضرت خالد کی معزولی کے واقعہ سے غلط استدلال** | لیکن حضرت خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معزولی کے پورے واقعہ میں نہ تو ان پر

اسراف کا الزام ثابت ہے نہ خیانت کا۔ نہ آپ کا عزل ان کیلئے کے ماتحت عمل میں آیا۔ چنانچہ آپ کو معزول کرنے کے بعد خود حضرت سیداعرفادوق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو مخاطب فرماتے ہوئے فرمایا :-

”خالد! واللہ تم مجھ کو محبوب ہی ہو اور تمہاری عزت بھی کرتا ہوں“

## قسط ۱

میں نے اپنے مضمون کی پہلی قسط میں عرض کیا تھا کہ :-

"اسلام کے قانون وراثت پر ایک نظر ڈالیے، تو اس

سے بھی آپ کو یہی معلوم ہوگا کہ اسلام اور اشتراکیت

کی راہیں مختلف ہیں۔ اشتراکی نظام، وراثت اور ملکیت کا

مخالف ہے۔ اس نظام میں ملک کی تمام دولت اور اس کے

وسائل پر براہ راست حکومت کا اقتدار اور قبضہ ہے،

لیکن اس کے خلاف اسلام شخصی ملکیت کا حق تسلیم کرتے

ہوئے ملک کے مرے کے بعد بھی اس کی متروکہ دولت

اور جائیداد کو ذوی القربی، عصباء اور ذوی الارحام

یعنی تین قسم کے رشتہ داروں میں بالترتیب اور علیٰ حسب

المراتب تقسیم کرنے کا حکم دیتا ہے اور اگر میت کا کوئی

قریبی یا دور کا رشتہ دار زندہ موجود نہ ہو تو اس صورت

میں متروکہ جائیداد کو اسلامی حکومت کے بیت المال میں

داخل کرنے کا حکم فرماتا ہے۔ گویا دولت کی تقسیم کا اختیار

حکومت کے ہاتھ میں نہیں، بلکہ قانون شریعت کے تحت

ہے اور قانون ساز حکومت نہیں، بلکہ خدا نے عظیم و خیر

ہے۔ البتہ اس قانون کو نافذ کرنا اور اس پر عمل کرنا حکومت

کا کام ہے۔ اسلام اور اشتراکیت میں تضاد و مخالف کی

یہ وہ مکمل ہوئی اور واضح ترین مثال ہے کہ جس پر مزید

خام فرمائی کی حاجت معلوم نہیں ہوتی !

میری اس بے غبار تحریر میں بھی محترم چودھری صاحب نے

کیرے مکالمے شروع کر دیے اور فرمایا :-

"خدا گواہ ہے کہ مولانا کا یہ کہنا مجھے بالکل انوکھی بات

معلوم ہوتی ہے کہ دولت کی تقسیم کا اختیار حکومت کے

ہاتھ میں نہیں۔ عقل کو کہاں تک گھسیٹوں عقل سے زیادہ

نقل منکلت ہوگی۔ اس لئے محمد اللہ علیہ السلام کے

حالات میں عرض کرتا ہوں : خدا کے پیغمبر اور خلیفہ کا اختیار

یہ کہ تمام ممالک ملکی کو لکھ بھیجا کہ :-

"میں نے خاندان کو ناراضی یا خیانت کی بنا پر موقوف نہیں کیا

لیکن چونکہ میں یہ دیکھتا تھا کہ لوگ ان کے موقوف ہوتے جاتے

ہیں، اس لئے میں نے اس کا معزل کرنا مناسب بھی لایا تاکہ

لوگ یہ سمجھیں کہ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے" (الغالب جلد اول)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا معزل ہونا

مصلحت پر مبنی تھا کہ مسلمان آپ کی کثرت فتوحات کے پیش نظر یہ

نہ سمجھنے لگیں کہ فتح و کامرانی شخصیتوں کے ساتھ وابستہ ہے اور تاکہ حق

تعالے کی نصرت و دیاری پر اعتماد و توکل کا اعتقاد کمزور نہ ہو جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تصریح فرمادی کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ

کینیات کی بنا پر معزل نہیں کیا گیا۔

چودھری صاحب کے نزدیک خیانت اور اسراف کی نوعیت

ایک ہے۔ تو اس نظریہ کو ماننے کی صورت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ

کے ارشاد کی روشنی میں الزام خیانت کے ارتجاع سے اسراف کا

الزام بھی خود بخود اٹھ گیا اور چودھری صاحب کے نظریہ کو تسلیم نہ

کرنے کی حالت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اس تصریح سے

بھی اسراف کا الزام حضرت خالد رضی اللہ عنہ پر قائم نہ رہا کہ :-

"میں نے ان کو ناراضی کی بنا پر معزل نہیں کیا"

کیونکہ اگر حضرت خالد رضی اللہ عنہ اسراف کے مرتکب ہوئے

ہوتے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ضرور ناراض ہوتے، لیکن آپ

ناراضی کا کچھ لفظوں میں انکار فرما رہے ہیں۔ اور جب تک حضرت

خالد رضی اللہ عنہ ایسے حلیل القدر صاحب کرامت ولی اللہ اور مخلص

ترین مجاہد صحابی کو معاذا اللہ "خائن" اور "مُشرِف" تسلیم نہ کیا جائے،

چودھری صاحب کا استدلال تام نہیں ہوتا اور اس کی بنیاد پر

شخصی ملکیت کے انکاس کی جو سر بفلک عمارت آپ نے کھڑی کی ہے،

وہ دھڑام سے گر جاتی ہے اور چونکہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

خیانت اور اسراف کے الزاموں سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی

برأت کا اعلان فرما دیا ہے، اس لئے چودھری صاحب کا اس واقعہ

سے شخصی ملکیت کی نفی پر استدلال "بناءً علی الغالب" کا مصلحتاً



پر پورا حق ہے کہ وہ خدا کی فوج کے سپاہیوں کو دے یا مال وقف قرار دے یا امن سے رہنے والے غیر مسلموں میں تقسیم کرے۔ یاد رہے کہ زمین ہی قبرستان کی ملکیتوں کی پروردگار ہے۔ اب بتائیے کہ ولانا کی تصریحات کو کیا سمجھا جائے؟ (قرمز) "ارمئی صت کالم عت"

ناظرین کرام! میری اور چودھری صاحب کی منقولہ بالا دونوں عبارتوں کو انصاف اور غور سے ملاحظہ فرمائیں گے، تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ عاجز (جسے چودھری صاحب برا و بدگمانی خدا تعالیٰ کے مالک اعلیٰ) ہونے کا منکر جانتے ہیں، بقولے "إِن الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ" (حکومت تو بس خدا ہی کی ہے) حق تعالیٰ ہی کو "حاکم اعلیٰ" امانت ہے اور انسانی حکومت و سلطنت اور اُمراء و خلفاء کو حسب ارشاد باری تعالیٰ "الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّا لَهُمْ فِ الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ" (سورہ حج رکوع ۶) (یعنی یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیدیں، تو یہ لوگ (خود بھی) نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور دوسروں کو بھی) نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں" حاکم علی الاطلاق کے احکام کا صرف نافذ کرنے والا سمجھتا ہے، لیکن چودھری صاحب جو خدا تعالیٰ کو "مالک اعلیٰ" ماننے میں، شاید صرف اپنے آپ کو متعزق جانتے ہیں۔ دولت کی تقسیم کو حاکم اعلیٰ اور اس کے قانون کے اختیار میں دینے کے بجائے برا و راست انسانی حکومت کے اختیار میں دے رہے ہیں۔ اس خطرناک ترین تخیل کا نتیجہ قانون شریعت کی بے بسی اور انسانی حکومت کی خود مختاری و مطلق العنانی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ افسوس کہ چودھری صاحب نے اشتراکیت کی حمایت کے جوش میں یہ ایسی بات کہہ دی ہے کہ جس کی تدبر و راست اسلام کے بنیادی اصول یعنی حکومت الہیہ کے مسئلہ پر پڑتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی تصریحات میں نے اپنی عبارت منقولہ میں شخصی تبرک

کی تقسیم کا ذکر کرتے ہوئے عرض کیا تھا کہ اس کا اختیار حکومت کے ہاتھ میں نہیں، بلکہ قانون شریعت کے ماتحت ہے۔ اس حقیقت کو چودھری صاحب "لوکھی بات" فرماتے ہوئے اپنی تائید میں شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نامکمل عبارت کا ترجمہ پیش کرتے ہیں۔ اس عبارت کا صحیح مفہوم خلیفہ کے اختیارات اور غنیمت کی تقسیم کی بحث میں (ان شاء اللہ عرض کروں گا اور بتاؤں گا کہ چودھری صاحب نے حجۃ اللہ البیضاء کے حوالہ کو افسوسناک پیش کر کے حضرت شاہ صاحب پر ظلم کرنے کے علاوہ اسلام کے اقتصادی مسائل سے اپنی بے خبری کا ایک اوثبوت دیا ہے۔ یہاں صرف شخصی تبرک کی تقسیم کے متعلق حضرت شاہ صاحب کی حسب ذیل تصریحات پیش کرتا ہوں۔ آپ اسلام سے پہلے قاضیوں کے مطلق العنانہ اختیارات کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

فكان الحكم على ذلك مدة ثم انه لما ظهرت احكام الخلافة الكبرى ونزوى للنبی صلی اللہ علیہ وسلم مشارق الارض ومغاربها وجبت المصلحة ان لا يجعل امرهم اليهم ولا الى القضاء من بعدهم بل يجعل على المظان العالیه فی علم اللہ من عادات العرب والعجم وغیرهم مما یکون کالامر الطبیعی ویكون مخالفه کالشاذ التادیر وکالعیمة الحاجة التي تولد بعد عائد او عوجاء اخرقا للعادة المستقرة وهو قولہ تعالیٰ "لَا تَدْرُونَ اَیْهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا"

(حجۃ اللہ البیضاء محبوبہ معیال جلد ۲ ص ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ ترکہ کی تقسیم اسلام سے پہلے قاضیوں (اور حاکموں) کے اختیار میں تھی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے قاضیوں (اور حاکموں) کے اختیار میں نہیں رہی بلکہ اس کا دائرہ طبیعی اور فطری قانون پر رکھا گیا اور ظاہر ہے کہ فطری قانون قرآن مجید کی صورت میں اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے۔ لیکن قدر و کمہ کی بات ہے کہ آج ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد موجودہ صاحب ترکہ کی تقسیم کو حکومت کے اختیار میں دے کر دوسرے حالات کی ایک مژدہ رسم کو پھر سے زندہ کرنا چاہتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

**اسلامی نظام حکومت اور خلیفہ کی پوزیشن**

اس میں نہ امیر و خلیفہ رد و بدل کر سکتا ہے، نہ ووٹوں کی کثرت سے اس میں ترمیم کی جاسکتی ہے۔ البتہ غیر منصوص اور اجتہادی مسائل میں اجتہاد کی اہلیت رکھنے والے خلیفہ اپنے اجتہاد سے کام لے سکتا ہے جس حکومت کی بنیاد قانون شریعت کے، نہ امیر یا خلیفہ کے شخصی حکم و فیصلہ یا ووٹوں کی کثرت پر قائم کی گئی ہو۔ اسے "اسلامی حکومت" قطعاً نہیں کہا جاسکتا، خواہ ساری دنیا اسے "اسلامی حکومت" کے نام سے پکارے۔ اس قسم کی حکومت کے علمبردار لوگ یقیناً اس آیت کے مصداق ہیں "وَمَنْ لَّمْ یَخُذْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ" (جو لوگ خدا کی آٹاری ہوئی کتاب کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے، تو وہ ظالم ہیں) غرض خلیفہ کو اسی حالت میں خلیفہ برحق اور خلافت کو اسی صورت میں خلافت حقہ کہا جائے گا، جب کہ اس کا نظام شریعت اسلامیہ کے ماتحت ہو۔ خلیفہ اور خلافت اپنی ذات میں کوئی چیز نہیں، وہ قانون شریعت کے سامنے بے بس اور قطعاً غیر مختار ہے۔ اس باب میں قرآن پاک کا حکم آپ ملاحظہ فرما چکے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے وقتاً فوقتاً بعض صحابہ کو مختلف علاقوں میں قاضی بنا کر بھیجا، تو آپ نے بھی ان کے لئے حکم و فیصلہ کا یہی معیار مقرر کیا۔ ان غیر منصوص اور اجتہادی

مسائل میں ان کو اجتہاد کا حق مرحمت فرمایا۔ بلکہ حضور نے بسا اوقات یہ بھی فرمایا کہ:-

"السمع والطاعة حق" مسلمانوں پر امام کو حکم کاشنا اور اس کی پیروی کو لازم ہے۔ جب تک خدا اور رسول کو، نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے پس جب اس کو خدا و رسول کی نافرمانی کا حکم دیا جائے، تو امام کے حکم کو سننا اور اس کی پیروی نہیں ہے۔

خود حضرات خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اسی معیار کو ہمیشہ پیش نظر رکھا۔ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کو رقم اللہ و جنہ نے فرمایا تھا کہ:-

"یحق علی الامام ان یحکم" امام اور خلیفہ پر یہ حق واجب ہے کہ وہ خدا کی آٹاری ہوئی کتاب کے مطابق حکم کرے اور امانت الہی کا حق ادا کرے۔ پس جب وہ ایسا کرے گا، تو لوگوں پر لازم ہے کہ وہ اس کی بات سنیں اور اس کی اطاعت کریں اور اس کی پکار کو قبول کریں۔

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ:-

"ان الخلیفۃ هو الذی یقضی بکتاب اللہ و یشفق علی الرعیۃ شفقۃ الرّجل علی اہله فقال کعب الاحبار صدق" (کتاب الاحوال ص ۱۸)

غرض قرآن کریم، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اشدّاء

سے یہ چیز قطعی طور پر ثابت ہو گئی کہ اسلامی نظام حکومت میں اختیار صرف قانون شریعت ہے۔ خلفاء اور امراء خود مختار نہیں ہیں کہ جو چاہیں کریں، بلکہ وہ عبادات اور معاملات میں احکام

شریعت کی تنقید پر مجبور ہیں۔ وہ شریعت کے خلاف اپنی رائے سے کوئی حکم دینے کے مجاز نہیں ہیں مگر ایسا حکم دیں بھی تو وہ متروکاً نافذ نہ ہوگا۔ چنانچہ فقہ اسلامی کی مشہور دستاویز "کتاب الاشبہ والظاہر" میں "تصویر الامام علی الریبة منوط بالمصلحة" کے عنوان کے ذیل میں لکھا ہے کہ :-

إذا كان فعل الإمام  
 مبنياً على المصلحة فيما  
 يتعلق بالأمور العامة  
 لم ينفذ أمره شرعاً  
 إلا إذا وافقه فان خالفه  
 لم ينفذ ولهذا  
 قال الامام ابو يوسف  
 في كتاب الخراج من باب  
 اجبا المكات وليس  
 للامام ان يخرج شيئاً  
 من يد احد الا بحق ثابت  
 معروف  
 قال قاضي حان  
 في فتاوى الامام  
 الوقف ولوان سلطاناً  
 اذن ليقوم ان يجعلوا  
 ارضاً من ارض  
 البلدة حوائث  
 موقوفة على المسجد  
 او ارضهم  
 ان يزيدوا في  
 مسجدهم قالوا  
 ان كانت البلد  
 فقحت عنوةً وذلك

”عجب امام اور (خلیفہ) کا فعل کسی ایسی مصلحت پر مبنی ہو جس کا تعلق اور عامر سے ہے تو اس کا حکم شرعاً اسی صورت میں نافذ ہوگا جبکہ وہ قانون شریعت کے موافق ہو اور اگر شریعت کے خلاف ہو تو وہ نافذ نہ ہوگا اسی بنا پر امام ابو یوسفؒ نے ”کتاب الخراج“ کے باب ”ایثار الموت“ میں فرمایا ہے کہ امام کو اس کا اختیار نہیں ہے کہ وہ کوئی چیز از روئے غیرہ کسی شخص کے قبضے سے نکالے سو اے اس صورت کے کہ اس چیز میں کسی اور شریعت کے مطابق حق ثابت ہو“ اور قاضیؒ نے اپنے فتاویٰ کے باب ”الوقف“ میں فرمایا ہے کہ ”اگر یاد شاہ اسلام کسی قوم کو اس امر کی اجازت دے کہ وہ بلکہ کسی-نبیوں میں سے کسی زمین پر مکا میں بنا کر مسجد پر وقف کر دیں یا قوم کو حکم دے کہ وہ اپنی مسجد کی توہین کریں تو اس کے متعلق فقہاء اسلام علیہم الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ اگر یہ بلکہ قہر علیہ سے فسخ کیا گیا ہو اور دکانوں کی

لا يصيرُ بالمائة والثمانين  
ينفذ امر السطان  
فيها وان كانت  
البلدة فحت صلحا  
تبقى على ملك  
ملاكها فلا ينفذ امر  
السطان فيها“ (التقى)  
(١٢٧٠ و ١٢٧١)

تعمیر اور مسجد کی توسیع سے آوروں کو گناہ  
اور دوسرے انسانوں کو ضروری پہنچتا  
تو اس خصوص میں بادشاہ اسلام کا  
حکم نافذ ہو جائے گا۔ اور اگر وہ ملد  
صلح اور مفاہمت سے فحش کیا گیا ہے  
تو زمین اس کے مالکوں کی ملک ہی  
پر باقی رہے گی۔ اس میں بادشاہ  
اسلام کا حکم نافذ نہ ہوگا۔

خلیقہ اور بادشاہ اسلام کے فیصلہ کے نافذ نہ ہونے کی چند اور مثالیں پیش کرنے کے بعد فرمایا :-

«وَبِهَذَا عَلِمْنَا أَنَّ  
أَمْوَالَنَا قَاضِي لَا يَنْفَدُ

إلا إذا وافق المشرع

”ان مشاغل سے محظوم ہو گا کہ قاضی کا حکم صرف اسی صورت میں نافذ ہو گا کہ وہ شریعت کے مطابق ہو“  
ورعبارت ص ۵۹ میں بھی موجود ہے۔

اس تمام بحث سے یہ ثابت ہو گیا کہ دولت کی تقسیم بلکہ عبادات و معاملات سے متعلق تمام احکام میں صرف قانونی شریعت با اختیار ہے۔ حکومت، سلطنت، خلافت اور خلیفہ کا کام صرف احکام شرعیہ کو نافذ کرنا ہے۔ وہ مختار مطلق نہیں ہیں، بلکہ صرف خادم شریعت ہیں اور اگر کوئی بادشاہ یا خلیفہ، یا حاکم، یا قاضی احکام شریعت کے خلاف کوئی حکم دے، تو وہ نافذ نہ ہوگا۔

یہ وہ واضح حقیقت ہے، جس کو میں نے قسط اول میں اجمال کے درجہ میں پیش کیا تھا اور جن کو چودھری صاحب "لوہی بات" کہہ کر ناظرین سے پوچھتے ہیں کہ :-  
"اب بتائیے، حولانہ کی تصرحات کو کیا سمجھا جائے"

اے جناب! میری تصدیقات قرآن، حدیث، صحابہ کرام  
اور فقہائے اسلام کی تصدیقات کے عین مطابق ہیں۔  
البتہ آپ کا اس حقیقت کو "الکھانا" کہنا سارے تیرہ سو سا  
کے بعد بالکل ایک نئی چیز ہے اور اگر اس چیز کو تسلیم کر لیا

جائے، تو شریعت اسلامیہ، اُمراء اور خلفاء کے ہاتھوں میں ایک کٹھ پتلی بن کر رہ جاتی ہے۔

**اُموال کے اقسام** | اب میں چودھری صاحب کی بہت سی غلطیوں کو دور کرنے کے لئے

دولت اور جائداد کی تقسیم کے بارے میں اُن سے ظہر ہوئیں، ایک مختصر مگر اصولی بحث کے ذریعہ بتانا چاہتا ہوں کہ دولت اور جائداد کی تقسیم شریعت نے کس طرح فرمائی ہے؟ لیکن قبل اس کے کہ یہ بحث شروع کروں، پتہ چل کرنا چاہتا ہوں کہ ایک قسم کا مال و جائداد تو وہ ہے جو افراد و اشخاص کی ملک میں ہے، اس کو مالک کے قبضے سے نکالنے اور اس سے بچھیننے کا خلیفہ کو قطعاً اختیار نہیں ہے (جیسا کہ اوپر حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد سے ثابت ہو چکا۔ اور اس پر مزید بحث آئندہ کسی موزوں موقع پر انشاء اللہ کی جائے گی) دوسرا مال اور جائداد وہ ہے جو بیت المال سے متعلق ہے۔ پھر بیت المال

تقسیم و ملک کے لئے شخصی املاک قرار پاتے ہیں۔ ان کا بھی وہی حکم ہے، حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خلیفہ ان کو مالکوں کے قبضے سے نہیں نکال سکتا۔ اور بعض اموال اور جائدادیں وہ ہیں جو مصلح عامہ اور مفاہ عامہ سے متعلق ہیں۔ ان کو شخصی ملک نہیں بنا یا جاسکتا۔ اور اگر خلیفہ نے کسی مصلحت کے تحت انہیں کسی شخص کے قبضہ میں دیا ہو، تو وہ انہیں واپس بھی لے سکتا ہے۔ ان سب کی تفصیل مناسب مقام پر پیش کی جائے گی (انشاء اللہ)

**بیت المال کے اُموال کی تقسیم** | بیت المال کے اُموال تین اقسام پر منقسم ہیں (۱) صدقات (ان میں زکوٰۃ بھی داخل ہے) (۲) غنم۔ یعنی غنیمت کا پانچواں حصہ (۳) فِی الداس میں خرچ، جزیہ اور عشور وغیرہ سب شامل ہیں) ان اموال کے مصارف کیا ہیں؟ میں اس پر قدرے روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔

اس کے ضمن میں آپ کو ان اموال کی تقسیم کا ضابطہ بھی معلوم ہو جائے گا، اور چودھری صاحب کی غلط فہمیوں کا انزال بھی ہو سکے گا۔

**زکوٰۃ کے مصارف** | زکوٰۃ کے متعلق حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:-

۱۰ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَمِلِينَ عَلَيْهِمُ وَالْمُؤَلَّفَةِ فُلُوقُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَ الْغَارِ مِیْنٍ وَ فِی سَبِيلِ اللّٰهِ وَ اَبْنِ الْمَسِیْئِلِ ۝

(پارہ ۱۰، رکوع ۸، سورہ توبہ)

(فرض) صدقات تو صرف غریبوں اور محتاجوں اور ان کارکنوں کے لئے ہیں، جو ان صدقات کی وصول پر متعین ہیں اور جن کی دلجوئی منظور ہے۔ اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں اور قرضداروں کا قرضہ (ادا کرنے) میں اور جہاد کرنے والوں کے سامان) میں اور مسافروں کی (امداد) میں (صرف کئے جائیں)۔

معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کا مصرف صرف طبقہ غریب و فقراء ہے۔ اعلیاء کے لئے اس میں کوئی حصہ نہیں اور یہ تصریحت مذکورہ کے منطوق کے علاوہ احادیث سے بھی ثابت ہے۔

**مال غنیمت کے مصارف** | مال غنیمت شرعاً مال ہے، جو جنگ کے دوران

میں قرد قلبہ کے ساتھ کفاس سے حاصل ہو۔ اسلام نے اس مال کے پانچ حصے مقرر کئے ہیں۔ چار حصے تو غازیوں اور مجاہدوں میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ انہیں کی جانبازی اور فداکاری کے باعث یہ مال حاصل ہوا۔

باقی پانچویں حصہ کی نسبت قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا کہ:-

۱۱ وَ اَعْلَمُوْا اَنَّ مَا غَنِمْتُمْ مِنْ حَرْبٍ شَتًیْ فَارِ ثُلُثُہٗ ۝ وَ خُمُسُہٗ ۝ لِلرَّسُوْلِ ۝

۱۱ اور اس بات کو جان لو کہ جو شے (کفاس سے) بطور غنیمت تم کوئی صل ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ (اس کے کل کا) پانچواں حصہ (پھر پانچ حصوں پر تقسیم ہوگا جن میں سے ایک تو) اللہ کا اور اے

۱۱ اس کا مال بھی دو قسم کے ٹیکہ بعض روئے ہیں جو غنیمت کی طرف سے



وَلِذِي الْقُرْبَىٰ  
وَالْيَتَامَىٰ  
وَالْمَسْكِينِ  
وَابْنِ السَّبِيلِ  
(پارہ ۱۰، رکوع ۱)

رسولؐ کا ہے (یعنی حضورؐ کو دینا، جس کو دینا گویا ایسا ہے کہ اللہ کے حضور میں پیش کر دیا) اور (ایک حصہ) آپ کے قریب والوں کا ہے اور (ایک حصہ) یتیموں کا ہے اور (ایک حصہ) غریبوں کا ہے اور (ایک حصہ) مسافروں کا ہے؛

اس آیت میں کل مالِ غنیمت کے صرف ۱/۵ حصہ کی تقسیم کا ذکر ہے۔ اس پانچویں حصہ کے پانچ حصے کئے گئے جن میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ (جسے قرآن پاک میں اللہ و رسولؐ کے حصہ سے تعبیر فرمایا گیا ہے) آپ کی وفات کے ساتھ ساقط ہو گیا اور آپ کے اہل قرابت کے حصہ میں آئے دین رحمۃ اللہ علیہم کا اختلاف ہے۔ حضرت سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب اس باب میں یہ ہے کہ چونکہ ذوی القربی کے حصہ پر جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نصرت قدیمہ کے تھا اور حضورؐ کی وفات کے بعد نصرت باقی نہ رہی، لہذا یہ حصہ بھی ساقط ہو گیا۔ اب یہ حصہ تین حصوں پر منقسم ہو کر ایک یتیموں کو، دو ثمر مساکین کو، اور تیسرا مسافروں کو دیا جائے گا۔ البتہ اگر ذوی القربی مسکین ہیں، تو ان کو مساکین کی حیثیت سے دیا جائیگا۔ اور ان کا حق دوسرے مساکین پر مقدم ہوگا۔ اغنیاء ذوی القربی کا اس میں کوئی حصہ نہیں اور حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ خمس الخس میں سے ذوی القربی کو (خواہ وہ غنی ہوں یا فقیر و مسکین) حصہ بہر حال دیا جائے گا۔ اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ امام اور خلیفہ ذوی القربی کو حصہ دینے اور نہ دینے میں محتار ہے۔ وہ جہاں ضرورت سمجھے خرچ کرے۔

یہ اختلاف صرف ذوی القربی کے حصہ میں ہے۔ ورثہ کل مال کے چھ حصوں میں سب کا اتفاق ہے۔ کہ وہ

غازیوں اور مجاہدوں کے لئے ہے عام اس سے کہ وہ والد ہوں یا فقیر و مسکین، ذوی القربی ہوں یا غیر ذوی القربی لیکن چودھری صاحب کا ایک اور بے سرو پا اور بے بنیاد دعوئے کیا ہے جس کی سند نہ قرآن مجید میں ملتی ہے، نہ حدیث میں، نہ صحابہؓ کے اقبال میں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل اس کے خلاف ہے آپؐ فرماتے ہیں کہ :-

"قرآن نے مالِ غنیمت کو صاحب زرہ لوگوں میں تقسیم کی کامل ممانعت کر دی تھی۔ بنیاد مسلمانوں میں رؤساء کا طبقہ پیدا ہو کر رواج اسلام کو کمزور کر دے اور غرباء کی برہاد کی باعث ہو۔ اسی آیت کی بناء پر حضرت عمرؓ نے حضرت بلالؓ کی اراضیات ضبط قرار دی تھیں کہ وہ ان کی ضرورت سے زیادہ ہیں" ("المزم" ۲۳ مارچ ص ۵۷)

قرآن مجید کی وہ آیت جس میں مالِ غنیمت کی تقسیم کا ذکر ہے۔ آپؐ اور پر ملاحظہ فرما چکے۔ اس میں (دیکھا کہ ظاہر ہے) "صاحب زرہ لوگوں میں تقسیم کی کامل ممانعت" تو دیکھنا اس کی طرف ادنیٰ اشارہ بھی نہیں ہے۔ اس آیت میں مالِ غنیمت کے صرف ۱/۵ حصہ کی تقسیم مذکور ہے اس کی نسبت تو کہا جاسکتا ہے کہ اس میں اغنیاء کا حصہ نہیں ہے۔ وہ بھی حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے مطابق۔ در نہ حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک تو اس میں بھی اغنیاء ذوی القربی کا حصہ ہے۔ باقی چار حصوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلیفہ راشدین رضی اللہ عنہم تمام غازیوں پر خواہ وہ والد ہوں یا غریب، تقسیم فرماتے رہے اور اس میں کسی مسلمان نے

بھی آجک اختلاف نہیں کیا

**صحابہ کا متول مال**  
بلکہ میں کہتا ہوں کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا متول زیادہ تر علی غنیمت ہی کی وجہ سے تھا۔

چنانچہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں ایک مستقل باب باندھا ہے، جس کا عنوان ہے "برکۃ الغازی فی مالہ حیاً و میتاً مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ولائہ الامو" دیکھائی شریف جلد اول ص ۱۸۸ کتاب الجہاد

یعنی "یہ باب ہے اُس برکت کے بیان میں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی میت میں جہاد کرنے والے غازی کے مال میں واقع ہوئی، اُس کی زندگی میں بھی اور اس کی وفات کے بعد بھی" اور اس باب کے نیچے حضرت امام بخاری نے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے متول کے واقعات روایت فرمائے ہیں۔

جن کا ذکر میں نے اپنے مضمون کی قسط ۱۷ میں کیا ہے۔ عنوان باب سے مستفاد ہوتا ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا متول مال غنیمت کی وجہ سے تھا۔ چنانچہ حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ بخاری شریف کے الفاظ "وما ولی امارة قط ولا جباية خراج" (کہ حضرت زبیرؓ نہ تو امیر بنائے گئے، نہ خراج کی وصولی پر کبھی مامور کئے گئے) کی شرح میں تصریح فرماتے ہیں کہ:-

"ای ان کثرة ماله ما حصلت یعنی حضرت زبیرؓ کے مال کی

کثرت و فراوانی ان حیثیتوں سے

نہ تھی کہ جو اس حیثیت کے لوگوں

کے ساتھ بگڑائی کو متقاضی ہوتی ہیں

بلکہ آپؐ کے مال کا اکتساب مالی

غنیمت وغیرہ سے تھا"

حضرت علامہ بدال دین عینی رحمۃ اللہ علیہ اسی فقرہ

کی شرح میں لکھتے ہیں:-

من هذه الجهات

المقتضية لظن السوء

باصحابها بل كان كسبه

من الغنيمة و نحو هذا

(فتح الباری جلد ۱ ص ۱۸۸)

"البركة التي كانت في حال

الزبیر من كونه غازیاً مع

النبي صلی اللہ علیہ وسلم

ومع ابن بکر وعمر و عثمان

رضی اللہ تعالیٰ عنہم (یعنی صلہ)

یعنی جو برکت حضرت زبیرؓ کے مال میں

تھی وہ اس وجہ سے تھی کہ آپؐ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ

و حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی معیت

میں غزا اور جہاد فرماتے رہے"

ان تصریحات سے جہاں چودھری صاحب

کے اس خیال خام کی تغلیط و تکذیب

ہوتی ہے کہ:-

**چودھری صاحب کی ایک اور بے احتیاطی**

"قرآن نے مالی غنیمت کو صاحب زرہ لوگوں میں تقسیم کی کامل عاقبت کردی تھی"

وہاں امام بخاریؒ کے عنوان باب اور علامہ عینیؒ کی تصریح

سے چودھری صاحب کا یہ کہنا بھی غلط ثابت ہو گیا کہ:-

"جن میں صحابہ کرام و حضرت عثمان غنی، حضرت زبیر بن العوام،

حضرت عبدالرحمن بن عوف، اور حضرت انس بن مالک

رضی اللہ عنہم، کا نام بیکر مولانا (قاسمی) نے ان کے

متول کا ذکر فرمایا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ مثالیں کب پیدا

ہوئیں۔ یہ مثالیں اس وقت نکلہئیں آئیں، جب وہ دور

شروع ہو چکا تھا جب بیکر مولانا مودودیؒ جاہلیت کو

نظام اسلامی کے اندر گھس آئے کا موقع مل گیا تھا"

(چند سطروں کے بعد) "اگر متول کی یہ صورتیں پیدا ہوئیں

تو وہ حضرت عثمانؓ کے وقت میں یا اس کے بعد پیدا ہوئیں

یہ اسلام میں بقول مولانا مودودیؒ جاہلیت کے عمل کا نتیجہ

تھیں" (زمزم، مورخہ ۱۹ جون ۱۹۷۱ء ص ۸۸ کالم ۵)

بے بنیاد باتوں کو کامل جزم و یقین کے ساتھ بیان کرنے

میں چودھری صاحب کو جتنی "بیوقوفی" حاصل ہے۔ اسی کا ایک

معمولی کرشمہ ان کا یہ کہنا بھی ہے کہ:-

"متول کی یہ صورتیں حضرت عثمانؓ کے وقت میں یا

ان کے بعد پیدا ہوئیں"

حالانکہ اوپر ثابت کیا جا چکا ہے کہ متول کی یہ صورتیں خود حضور

کو حملہ کفر کا نتیجہ قرار دیتے ہیں، لیکن محدث ابن جریرؒ نے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے متول کے انہیں واقعات سے (جن کو میں نے بیان کیا تھا) اُن جاہل لوگوں اور نام نہاد زراہوں پر رد فرمایا ہے، جو یہ سمجھتے ہیں کہ "اموال کثیرہ کا جمع کرنا مکروہ ہے" (ملاحظہ ہو فتح الباری شیعہ بخاری جلد ۴ ص ۱۲۷)

غرض اس تمام بحث سے یہ ثابت ہو گیا کہ اسلام میں مال غنیمت سے اغنیاء کو محروم نہیں رکھا گیا اور عدل انھما کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ان کو محروم نہ دکھا جائے، کیوں کہ غریب تو صرف جانی قربانیاں دیتے ہیں، لیکن اغنیاء جانی قربانیوں کے علاوہ مالی قربانیاں بھی پیش کرتے ہیں۔ پھر یہ کیا انصاف ہے کہ زکوٰۃ، عشر اور عام صدقات اور جہاد کے لئے امدادی چندوں کی صورت میں تو اغنیاء سے لاکھوں روپے وصول کئے جائیں اور جب غنائم تقسیم کرنے کا موقع پیش آئے، تو ان سے کہہ دیا جائے کہ اس میں ہمارا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اسلام کا آئین انصاف اور جوان کرم سب کے لئے عام ہے۔ وہ کسی کو اس سے محروم نہیں ٹھہراتا۔ باقی رہا چودھری صاحب کا یہ فرمانا کہ :-

"اسی آیت کی بناء پر حضرت عمرؓ نے حضرت بلالؓ

کی اراضیات ضبط قراؤ دی تھیں کہ وہ ان کی ضرورت

سے زیادہ ہیں

تو معلوم نہیں کہ "اسی" کا اشارہ کنسی آیت کی طرف ہے۔ اگر آیت غنیمت کی طرف ہے تو اس کی حقیقت آپ کو ادھر کی بحث سے معلوم ہو چکی ہے اور اگر اس سے مراد وہو حشر کی آیت فی سبے (جو ابھی پیش کی جائے گی) تو مال غنیمت کی تقسیم کے سلسلہ میں اس کا حوالہ دینا اس امر کی دلیل ہے کہ چودھری صاحب کو یہ بھی معلوم نہیں کہ مال غنیمت کسے کہتے ہیں اور مال فی کیا ہے؟ یہ دونوں چیزیں مختلف ہیں اور دونوں کے احکام جدا ہیں۔ پھر حضرت بلال

صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ و حضرت عمر فاروقؓ و حضرت عثمان ذوی النورین رضی اللہ عنہم ہی کے زمانہ میں پیدا ہوئی تھیں لیکن چودھری صاحب نہ صرف اسی کا انکار کر رہے ہیں، بلکہ حضرت زبیر بن العوام، حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم حتیٰ کہ خود حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے متول کو جاہلیت (کفر) کے حملہ کا نتیجہ قرار دے کر ان حضرات کی شان اقدس میں ناوانستہ گستاخی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اَتَا لَیْمٌ وَاَتَا لَیِّیْرٌ اَجْمَعُونَ۔

چودھری صاحب! اشتراکیت کی حمایت کے جوش میں آپ کو ہوش سے کام لے کر ان حضرات چربہ حملہ کرنے سے پہلے سوچ لینا چاہیے تھا کہ حضرت عثمان غنیؓ و حضرت زبیرؓ و حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم وہ بزرگ ہیں، جن کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قطعی جنتی قرار دیا ہے۔ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا متول تو نتیجہ ہے اس دعا کا جو حضور نے ان کیلئے فرمائی تھی (حدیث کے الفاظ کا پہلے کسی مقام پر نقل کئے جا چکے ہیں).....

میں جب چودھری صاحب کی اس قسم کی بے احتیاشیوں کو نقل کرتا ہوں، تو آپ پبلک سے منظر نامہ انداز میں دردناک طریقوں سے فریاد شروع کر دیتے ہیں کہ دیکھو قاسمی مجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔ میرے خلاف اشتعال انگیزی کر رہا ہے" (دیگرہ) حالانکہ اپنی زبان کو قابو میں نہ رکھنا، تقاضائے ادب کو پس پشت ڈال دینا اور پھر اُلٹا مخاطب پر اشتعال انگیزی کا الزام عائد کرنا قطعاً قویٰ انصاف نہیں ہے۔ رہا مولانا مودودی کی ایک تحریر کی آڈ لینا، عنوان کی تحریر میں نہ صحابہ رضہ کے متول کا ذکر ہے نہ ان حضرات کو جاہلیت کے حملہ کا شکار ٹھہرایا گیا ہے مولانا مودودی بفضلہ تعالیٰ بعید حیات ہیں۔ انہیں سے پوچھ لیا جائے کہ کیا آپ اس خصوص میں چودھری صاحب کے ہنوا ہیں؟ تو وہ پکاراٹھیں گے کہ هَذَا اُجْمَعُونَ عَظِیْمٌ۔

چودھری صاحب تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے متول

عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ مَا أَقَاءَ اللَّهُ  
 عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ ۖ  
 وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ ۖ وَالْأَنْسَابِ  
 كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ ۚ وَبَارَةٌ  
 سِوَةُ الْغُرُورِ (اول) (یعنی) اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو ان  
 (بنی نضیر) سے دلوادیا، سو تم نے اس پر (یعنی اس کے حاصل کرنے  
 کو) نہ گھڑے دُورے اور نہ اونٹ (اس لئے اس میں غازیوں  
 کو چاندن پر حق ملک حاصل نہیں، جیسا کہ مال غنیمت میں ہوتا ہے)  
 لیکن اللہ تعالیٰ (کی عادت ہے کہ) اپنے رسولوں کو (دشمنوں میں)  
 جس پر چاہے (خاص طور پر) مُسَلِّط فرادیتا ہے اور اللہ تعالیٰ  
 کو ہر چیز پر پوری قدرت حاصل ہے (پس وہ جس طرح چاہے،  
 دشمنوں کو مغلوب کرے اور جس طرح چاہے اپنے رسول کو اختیار  
 اور تصرف دے اور جس طرح اموال بنی نضیر کا یہ حکم ہے، اسی طرح)  
 جو کچھ اللہ تعالیٰ (اسی طور پر) اپنے رسول کو دوسری بستیوں کے  
 (کافر) لوگوں سے دلوادے (جیسا فدک اور ایک حصہ خیبر کا  
 اسی طرح ہاتھ آیا) سو اس میں بھی تمہارا کوئی مخصوص حق ملک  
 کا نہیں بلکہ وہ (بھی) اللہ کا حق ہے اور رسول کا (حق ہے  
 کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں تصرف کو آپ کی رائے پر چھوڑا)  
 اور آپ کے قرابت والوں کا (حق ہے) اور یتیموں کا (حق ہے)  
 اور غریبوں کا (حق ہے) اور مسافروں کا (حق ہے، یعنی یہ سب  
 حسبِ صوابدید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مال کے  
 مُتصرف ہیں اور یہ حکم اس لئے مقرر کر دیا، تاکہ وہ (مال فی)  
 تمہارے مالداروں ہی میں نہ پھرتا رہے۔

آن آیات میں مال فی کے پانچ مُصارف بیان فرمائے  
 گئے ہیں۔ جن میں سے یتیمی اور مساکین اور مسافروں میں  
 تو حکم مطلقاً باقی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ  
 کے قرابتداروں کا مخصوص حصہ (جو نصرت رسول کی حیثیت سے  
 تھا) حضور علیہ السلام کی وفات سے مُرتفع ہو گیا۔ رسول اکرم  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے اموال بنی نضیر کا اکثر حصہ مہاجرین کو اور

مرنی رضی اللہ عنہ کی اراضیات کو اس آیت کی بناء پر قابلِ شہ  
 قرار دینا چودھری صاحب کی ایک اور حدت ہے۔ چودھری  
 صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت بلال مرنی رضی اللہ عنہ کی جاگیر  
 اس آیت کی بناء پر ضبط نہیں کی گئی تھی، بلکہ چونکہ یہ جاگیر  
 ان جاگیروں میں سے تھی، جو کسی مصلحت کے ماتحت دیکھائی  
 ہیں، لیکن وہ شخصی الماک قرار نہیں پاتیں، بلکہ خلیفہ حبیب  
 چاہے، انہیں واپس لے سکتا ہے (جیسا کہ اوپر اموال کے  
 اقسام کی مرنی کے ذیل میں اس کا مختصر ذکر آچکا ہے اور  
 آئندہ انشاء اللہ زمینوں کی تقسیم کی بحث میں اس پر قریب سے  
 تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی جائے گی) اس لئے اس ضابطہ  
 کے ماتحت یہ جاگیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے واپس لے لی تھی۔  
**مال فی کے مصارف**  
 مال فی کے مصارف بتانا چاہتا ہوں۔ مال فی شرفاً اس  
 مال کو کہا جاتا ہے جو جنگ کے ختم ہونے اور محاذ جنگ کے  
 دارالاسلام بن جانے کے بعد کفار سے حاصل ہو۔ جیسے خراج  
 اور جزیہ۔ اس مال کے حاصل کرنے میں چونکہ لشکر اسلام کو  
 جنگ کرنا نہیں پڑتی۔ اس لئے اس میں غازیوں کے چار  
 حصے نہیں ہیں۔ جس طرح کہ مال غنیمت کے چار حصے انہیں  
 کے لئے مخصوص ہیں، بلکہ اس مال میں تمام مسلمانوں کا  
 حق ہے۔ اور جو مال جنگ سے نہیں، بلکہ تحفہ و ہدیہ وغیرہ  
 کے طور پر کفار سے حاصل ہو۔ اس کو نہ غنیمت کہا جاسکتا  
 ہے نہ فی۔ البتہ اس کا حکم اور مُصرف وہی ہے، جو مال فی  
 کا ہے۔

آنوال فی کے مصارف تمام مسلمان اور مصلح ہاتھ میں  
 یہ نہیں کہ مال غنیمت کی طرح اس کے چار حصے غازیوں کے  
 لئے مخصوص ہوں۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:-

"وَمَا أَقَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ شَيْءٍ لِّهِمْ وَهُمْ مُنْكَرُونَ ۚ  
 وَلَكِنَّ اللَّهَ لِيَسْطِطُ بِشَيْءٍ



ثابت ہے۔ اسی لئے اس آیت کو پڑھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:-

”فاستوعبت هذه الآية الناس فلو بين احدنا الله فيما حق الا بعض من تملكون من اسرا قانكوه“  
(فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۱۷)

”پس یہ آیت شامل ہے تمام لوگوں کو انسانوں کے درمیان میں۔ اگرچہ بعض کے لئے اللہ نے اس میں حصہ نہ ہو سوائے تمہارے غلاموں کے“ (کیونکہ وہ کسی چیز کے مالک نہیں ہوتے)

دوسری روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حسب ذیل الفاظ مروی ہیں:-

”منا على وجه الامر من مسلم الا له في هذا اليقين حق الا ما ملكت ايمانكوه“  
(یعنی) ”تمہارے غلاموں کے سوا روئے زمین کے ہر مسلمان کا اس مال فی نہیں حق ہے“

(تفسیر خازن جلد ۲ صفحہ ۱۷)

غرض مال فی کے مصارف نہایت عام ہیں جتنی کہ نہروں کی کھدائی، سرحدوں کی حفاظت، سڑکوں اور پلوں کی تعمیر، قاضیوں، مفتیوں، اماموں، مبلغوں اور مدرسوں کی تنخواہیں بھی اسی سے ادا کی جائیں گی۔

اس موقع پر چند ضروری باتیں ناظرین کرام کو ذہن نشین کر لیں چاہئیں:-

**مال فی کے متعلق چند ضروری نوٹ**

(۱) اموال فی پر حضور علیہ السلام کو مالکانہ اختیارات حاصل تھے۔ بایں معنی کہ آپ ان میں ہر قسم کا تصرف فرما سکتے تھے۔ بیچ کر سکتے تھے وغیرہ۔ (۲) البتہ یہ اموال حضور علیہ السلام کے بعد محل میراث نہ تھے اور یہ آپ کی خصوصیت تھی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے جن میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے) فرمایا تھا کہ:-

”هل تعلمون ان امره هو ان الله صلى الله عليه وسلم في ما لم يملكه من اموالكم“  
(کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہم وارث نہیں چھوڑتے۔ ہم جو ترکہ چھوڑتے)

انصار میں سے بعض کو تقسیم فرمایا اور بقیہ مال میں سے اپنے اہل و عیال کو سال بھر کا خرچ دے کر بھیجتا، اُسے سلمان جہاں میں شرف فرما دیا جاتا اور غیر کی آمدنی سے فقراء مہاجرین کی اور فک سے مسافروں کی امداد فرماتے۔ فقراء مہاجرین کے علاوہ انبیاء مہاجرین کو بھی آپ نے حصہ عطا فرمایا ہے چنانچہ جب بحرین سے بے شمار مال آیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو (باوجودیکہ وہ مالدار تھے) اس قدر مال عطا فرمایا کہ وہ بمشکل اٹھا کر لے جاسکے (ملاحظہ ہو بخاری شریف جلد اول صفحہ ۱۷ کتاب الجہاد) محدث ابو عبیدہ رحمہ اللہ علیہ اموال فی کی تفصیل کے بعد فرماتے ہیں:-

”فكل هذا من الفيء“  
”یہ سب مال فی سے ہیں اموال فی“  
”هو الذي يعم المسلمين“  
”وہ دولت مندوں یا فقیر“

(کتاب الاحوال صفحہ ۱۷)

اس سے معلوم ہوا کہ آیت ”کي لا يكون دولة بين الانبياء منكم“ کا منشاء یہ نہیں ہے کہ دو متمنوں کو مال فی سے محروم رکھا جائے (جیسا کہ چودھری صاحب سمجھے بیٹھے ہیں) اگر آیت کا یہی مفہوم ہوتا، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انبیاء کو حصہ کبھی عطا نہ فرماتے۔ حق تمنا لے کا منشاء صرف یہ ہے کہ جس طرح جاہلیت کے زمانہ میں ذی اختیار لوگ تمام غنائم اور محاصل جنگ خود ہی کھا جاتے تھے اور فقراء و مساکین بالکل محروم رہ جاتے تھے، اس طرح مسلمان نہ کریں کہ اموال فی کو انبیاء ہی میں تقسیم کر دیں۔ اور فقراء کو محروم رکھیں، بلکہ سب کو حصہ دیا جائے۔ خصوصیت کے ساتھ فقراء و مساکین کا زیادہ خیال رکھا جائے۔

غرض مال غنیمت اور فی میں یہ فرق ہے کہ اول الذکر کے پانچ حصوں میں سے چار حصے تو صرف غازیوں کے لئے مخصوص ہیں اور پانچواں حصہ فقیروں اور مسکینوں وغیرہ کے لئے۔ لیکن فی کسی گروہ کے لئے مخصوص نہیں، اس میں سب کا حصہ ہے اور یہ عموم ”وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِ هُمْ“ سے

صدقة یزید رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نفسہ قل الرہط قد  
قال فاقبل عمرہ  
علی علی وعتابہ  
نقال انشد کما باللہ  
هل تعلمان ان رسول  
للہ صلی اللہ علیہ  
وسلم قد قال ذلک  
قالا قد قال ذلک  
قال عمرہ فاتی احدکم  
عن هذا الامر ان اللہ  
قد خص رسولہ  
صلی اللہ علیہ وسلم فی  
لهذا الی بشیء لہ  
یعطہ احدًا غیرہ ثم  
قرأ "وَمَا آفَاءَ اللّٰهِ عَلٰی  
رَسُوْلٍ لَّہِ الْکَافَاتِ هَذٰہِ  
خَالِصَةٌ لِّرَسُوْلِ اللّٰهِ  
صلی اللہ علیہ وسلم"

ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے اور اس سے  
حضور کی مراد اپنی ذات گرامی  
تھی۔ جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم  
دیا کہ بے شک حضور نے ایسا فرمایا  
ہے۔ پھر حضرت عمرؓ حضرت علیؓ  
و عتبہؓ کی طرف متوجہ ہوئے  
اور فرمایا میں تم کو اللہ کی قسم دیتا  
ہوں کیا تم دونوں کو معلوم ہے کہ  
حضور نے ایسا فرمایا ہے۔ ان  
دونوں نے جواب دیا کہ بے شک  
حضور نے ایسا فرمایا ہے۔۔۔۔۔  
۔۔۔۔۔ پھر حضرت عمرؓ  
نے فرمایا کہ میں تم کو اس بارے میں  
یہ بتاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے  
رسول کے ساتھ اس فی میں ایسی  
چیز کو خاص کیلئے کہ جو کسی اور کو  
نہیں دی۔ پھر آیت فی آپ نے  
پڑھی۔ پھر فرمایا کہ یہ اموال حضور کے  
خالصہ تھے۔

(بخاری شریف جلد ۱ ص ۱۰۰)

۱۳) ان اموال پر حضور کے بعد آنے والے خلفاء و امراء

کو مالکانہ نہیں بلکہ صرف اسی قدر حاکمانہ اختیارات حاصل ہیں

## فوج محمدی کے اہم فیصلے

مورخہ ۳۳ ستمبر ۱۸۵۷ء کو بمقام ترنگ فوج محمدی کی مجلس مشاورت کا اجلاس ہوا جس میں ماتحت جماعت  
کے نمائندے شامل ہوئے۔ کامل غور و خوض کے بعد مجلس نے مندرجہ ذیل فیصلے اختیار کیے۔  
حضرت قبل مولانا مولوی احمد الدین صاحب مجاہدہ نشین، مکہ شریف کو تفویض کئے گئے اور ان کو قایم اعظم منتخب کیا گیا۔ حضرت صاحبزادہ  
محمد زین الدین صاحب مجاہدہ نشین ترنگ اور مولانا ظہور احمد صاحب بکری کے ادارہ عالیہ فوج محمدی اور مجلس منظمہ کی رکنیت، دیادت و دیگر سے مسلحانہ کچھ حصہ  
کیلئے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ مولانا حاجی اختر احمد صاحب بکری کو ادارہ عالیہ فوج محمدی کا ناظم منتخب کیا گیا۔ اور صاحبزادہ الحاج محمد الزمان شاہ  
صاحب ناسبق و مقرب ہوئے۔ ادارہ عالیہ کا دفتر اور صدر مقام حبیب بن بھیرہ ہی میں رہیگا۔ ماتحت جماعتیں حسب بن اپنی کا گذاری کی رپورٹیں

جو قانون شریعت نے ان کو تفویض کئے ہیں۔ چنانچہ حضرت  
فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ :-

"ما انا احق بهذا

ایقئ منکم و ما احق

منا احق بل من الآخر

اذا انا علی منازلنا من

کتاب اللہ و حکمتہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" (تفسیر خازن جلد ۲ ص ۱۸)

(یعنی) میں اس فی کا تم سے زیادہ مقدار  
نہیں ہوں اور نہ تم سے کوئی ایک  
دوسرے سے زیادہ مقدار ہے۔ لیکن ہم  
اپنے مراتب پر ہیں موافق کتاب اللہ  
کے اور موافق تفسیر حضور علیہ السلام کے۔

## ایک نگاہ کی التجا!

زمانہ کے نازک اور خطرناک حالات "شش الاسلام" کی ضرورت  
و اہمیت پر خود شاہد ہیں۔ باطل کے حملوں کی مہم افروختی اور حق کی  
حمایت میں اس جہدہ نے آج تک جس بے جاگری کے ساتھ جس  
قدر کام کیا ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر درو مند اور خستہ  
مسلمان اس کی توسیع اشاعت کے لئے سرگرم کوشش کرے۔  
خصوصاً ماہ رمضان المبارک میں اور عید کے موقع پر ان کوششوں  
کو المضاعف کر کے ثواب دارین حاصل کرے۔ امید ہے کہ شاہدین  
و خدایاران رسالہ عید تک رسالہ کے اس قدر زیادہ تیار کر دیئے کہ وہ  
خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل ہو سکے۔ (منہجر)

بہارِ نبوی جلد ۱ ص ۱۰۰

# ماہ رمضان اور اُس کا مقدس پُرگرام

سے نیچے تشریف لائے اور آئین فرماتے کا سبب دریافت کیا گیا، تو منجملہ آئینوں کے ایک آئین کی نسبت پفرمایا "جبریلؑ نے دعا کی تھی، بَعْدَ حَتِّ اَنتَرَكْ رَمَضَانَ فَلَمَّا لُغِفَتْ لَهُ (ہلاک ہو جائے وہ شخص جس نے رمضان پایا اور اس کی مغفرت نہ کی گئی) تو میں نے جبریلؑ کی اس دعا پر آئین کہی تھی"

ایمان والے مسلمان اس روایت پر غور کریں کہ رمضان میں طاعت، عبادت کے ذریعے مغفرت نہ پانے والے کئے جبریلؑ جیسے مقرب فرشتے بدعا کرتے ہیں۔ اور حبیب رب الطلین جیسے چہیتے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) "آئین" فرماتے ہیں، تو ایسے بدنصیب مسلمان کا حشر کیا ہوگا؟

اجابت دعا کا حہینہ | اس قسم کی روایات کے ساتھ ایسی روایات پر بھی نظر ڈالو

جن میں نبی کریم علیہ التہیۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا ہے۔ "رمضان کا مہینہ جو بڑی برکت والا ہے، آگیا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ تمہاری طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ رحمت خاصہ نازل فرماتے ہیں۔ رگنا ہوں کو معاف فرماتے ہیں اور دعائیں قبول کرتے ہیں" ایک اور حدیث میں فرمایا "رمضان المبارک میں رات دن جہنم کے قیدی رہا کئے جاتے ہیں اور رات دن میں ہر مسلمان کی ایک دعا ضرور قبول ہوتی ہے" ایک اور حدیث میں فرمایا "تین آدمیوں کی دعا رد نہیں ہوتی۔ ان میں سے ایک روزہ دار کی افطار کے وقت، ایک اور حدیث میں فرمایا "روزانہ اخیر شب میں روزہ داروں کی مغفرت کی جاتی ہے تو ماہ

حَامِدًا اَوْ مُصَلِّيًا وَ مُسَلِّمًا۔ وہ شعبان جو اعمال کے جائز اور سال آئندہ کی فہرستوں، نیکی، بدی، تنگی، فراخی، صحت، بیماری، موت، زندگی کے مرتب ہونے کا مہینہ ہے وہ جہنم ہو چکا ہے۔ اس کے بعد جہنم سے آزادی دلانے والا مہینہ شروع ہو چکا۔ شاہی جشن سالگرہ کے موقع پر کتنے قیدی و اسیر رہا کئے جاتے ہیں تاریخ جشن سالگرہ سے پہلے ہی کتنے آزادی کی قدر کرنے والے جیل کی تنگی سے تنگ آکر اس کی سعی و کوشش کرتے ہیں کہ اس موقع پر آزاد کئے جانے والوں کی فہرست میں ہمارا بھی نام آجائے۔

ایسی طرح "جہنم" کے ہر ایک قیدی گنہگار کو بھی "ماہ رمضان" میں ایک موقع سالانہ کے سال ملتا ہے کہ وہ جہنم سے رہائی کی اپنے لئے سعی و کوشش کرے آخرت کی سعی اور قسم کی ہوتی ہے اور دنیا کی کوشش اور قسم کی ہوتی ہے۔ دنیا میں روپیہ، پیسہ، ریت، رسم، سعی، سفارش، دینے، لینے سے کام چل جاتا ہے، تو آخرت میں طاعت، عبادت، عاجزی، فروتنی، نیکی، حسن عمل اور مستجاب ہو یہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر عمل کرنے، شرعی پروگرام کو اپنا دستور العمل بنانے سے کام چل سکتا ہے۔

حدیث کی ایک روایت میں بدنصیب انسان | آتا ہے "بدقسمت ہے وہ جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور جہنم سے آزادی حاصل نہ کی" حدیث کی ایک اور روایت میں آتا ہے۔ نبی کریم علیہ التہیۃ والتسلیم ایک مرتبہ وعظ فرمانے کے لئے منبر پر چڑھ رہے تھے۔ تو ہر سیڑھی پر آئین فرماتے کی آواز حاضرین نے سنی۔ جب وعظ سے فارغ ہو کر آپ منبر

و اسلام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ ہمارے لئے بھی نجات کا کچھ سامان ہو جائے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ

صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص اور

مشہور صحابی ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ ایک

مرتبہ شعبان کی آخری تاریخ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ایک وعظ فرمایا۔ اس وعظ میں ارشاد ہوا۔ فقال یا ایھا الناس

قد اظنکم شہر عظیم مبارک۔ فرمایا اسے لوگو! تم ہر ایک

مہینہ جو بہت بڑا اور بڑی برکت والا ہے وہ سایہ فگن ہونے

والا ہے۔ اس مہینہ کی عظمت اور برکت ان روایات سے بھی

ظاہر ہوتی ہے۔ جن میں ذکر آیا ہے کہ "انبیاء سابقین علیہم السلام

پر جو کتابیں اتری ہیں اور جو صحیفے نازل ہوئے ہیں، وہ اسی

مبارک مہینہ میں اترے ہیں۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام

پر جو صحیفے اترے تھے۔ وہ "رمضان" ہی کی پہلی یا تیسری کو

اترے تھے حضرت داؤد علیہ السلام کو دوسری مقدس کتاب

اسی ماہ رمضان ہی کی بارہ یا اٹھارہ تاریخ کو ملی تھی۔ حضرت موسیٰ

علیہ السلام کو "توریت" جیسی ہدایت والی کتاب "رمضان" کی

سولہویں کو ملی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "انجیل مقدس"

بارہ یا تیرہ رمضان "ہی کو ملی تھی۔ آسمانی کتابوں میں سب سے

زیادہ عظمت والی جو قیامت تک اپنے حال پر رہنے والی مبارک

کتاب ہے "قرآن کریم" اس کا نزول بھی محل کے محل کا "لوح محفوظ"

سے آسمان اول پر اسی ماہ "رمضان" میں ہوا تھا، جیسا کہ خود

"قرآن مجید" میں مذکور ہے۔ "شہر رمضان الذی انزل فیہ

القرآن" رمضان کا وہ مہینہ ہے، جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا۔

شہر فیہ لیلة خیر من الف شہر

## آسمانی کتابوں کا نزول اور رمضان میں

## رمضان کی ایک مقدس ترین رات

اسی مہینے میں ایک رات آتی ہے

جو ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے "وہی

مبارک رات جس کے متعلق قرآن حمید نے فرمایا: وَمَا أَذْرُكَ

مَا لَيْلَةُ الْقَدَرِ لَيْلَةُ الْقَدَرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ"

رمضان کی عظمت و جلالت کھل کر سامنے آجاتی ہے اور طاعت و عبادت کی رغبت پیدا ہو جاتی ہے۔

ایسی عظمت و جلالت، برکت، رحمت، مغفرت والے مہینہ

کی آمد پر یا مہینہ کے درمیان میں یا آخر میں "مجھ" جیسے سید کا رو

میں سے کسی کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہو کہ ان رحمت و مغفرت

والے دنوں میں ہمارا نام بھی "رہا" ہونے والوں کی فہرست میں

آجائے۔ تو کیا اعمال و افعال اختیار کئے جائیں؟ اس لئے خیال

ہو کہ اس مبارک مہینہ پر نبی کریم علیہ التہنید و التسلیم کا ارشاد

فرمودہ پروگرام "شائع" کر دیا جائے۔ روزہ تو مسلمانوں میں تو سہ

فی صدی رکھتے ہیں۔ اس لئے اس کے افکار و سحر کے نقشے تو تاجر

لوگ بھی اپنے تجارتی ہشتہارات میں شائع کر دیتے ہیں مگر جہنم

سے آزادی کی فکری صدی "پانچ" کو بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے

"جہنم سے آزادی حاصل کرنے کا" پروگرام "کوئی تاجر یا سوداگر

شائع نہیں کرتا کہ اس میں تجارت کا فروغ نہیں ہوتا۔ لہذا "جہنم"

سے رہائی حاصل کرنے کا "پروگرام" معتبر کتب حدیث سے اخذ

کر کے شائع کیا جاتا ہے۔ شائد کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے

کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ تو یہ .. ..

.. .. ہندی مسلمانوں کی ایک بڑی خدمت ہوگی۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث

میں ماہ رمضان کے متعلق جتنا کچھ یکجا طور پر برہل جاتا ہے، اتنا

اور روایات میں یکجا طور پر نہیں ملتا۔ ٹکڑے ٹکڑے کر کے

مختلف روایات میں یہ ساری چیزیں مل جاتی ہیں۔ اسی لئے

اس کی سند کا ضعف ناقابل اعتبار نہ جاتا ہے۔ اس میں ایک ایک

چیز علیحدہ علیحدہ سندوں سے نقل کی جائے، تو اخبارات کے

صفحات کی تنگی اس کو برداشت نہ کر سکے گی۔ لہذا ہم نے اس

روایت کو اس کی سند سے بے نیاز ہو کر پیش کرنا مناسب

سمجھا۔ اصل روایت کے الفاظ اور ان کے ترجمہ کے ساتھ ساتھ درمیان

درمیان میں بعض دوسری روایات کا ترجمہ بھی تا میہ پیش کرتے

چلے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ



”تم جانتے ہو، ایام القدر کیسی رات ہے۔ لیکن القدر ہزار مہینوں سے بڑھ کر ایک رات ہے۔“ قرآن کریم نے اس رات کی قدر و منزلت تو بیان فرمائی، مگر اس کے آنے کا زمانہ نہیں بتایا۔ کتب حدیث کی روایات سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ وہ ”مبارک رات“ رمضان ہی میں آتی ہے۔ جیسا کہ اس روایت میں بھی ہے۔ اس رات کی فضیلت اور اس کا پروگرام چونکہ مستقل حدیث نہ لکھا ہے۔ اس لئے اس کو علیحدہ ہی انشاء اللہ شائع کیا جائیگا۔

شہر جعلہ اللہ صیامہ

### نماز تراویح کی اہمیت

فريضة وقيام ليله تطوعا۔

”اس مہینے میں اللہ تعالیٰ نے روزے فرض کر دیئے ہیں اور رات کا قیام موجب اجر و ثواب قرار دیا ہے۔ حضرت علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ ماہ رمضان کی راتوں میں قیام کی مقدار کم سے کم نماز تراویح کی بقدر سنت ہے۔“ اس کو بھی مسلمان ادا کریں۔ تراویح کا ادا کرنا سنت ہے۔ خفیہ کے نزدیک تراویح بیس رکعت مسنون ہیں۔ حضرت شیخ محدث دہلوی نے کتب فقہ سے نقل کیا ہے کہ اگر کسی شہر کے مسلمان تراویح چھوڑ دیں تو امام وقت اُن سے مقاتلہ کرے۔ ”تراویح کی نماز مستقل ایک سنت ہے اور پورے ماہ رمضان میں ایک مرتبہ قرآن کریم کا ختم کرنا تراویح میں یہ الگ ایک مستقل سنت ہے۔ دس پانچ دن کی تراویح میں قرآن حکیم ختم کر کے تراویح کا چھوڑنا جائز نہیں۔ قرآن مجید جس تاریخ کو بھی ختم ہو جائے۔ اس کے بعد تراویح اخیر رمضان تک پڑھنا سنت ہے۔“

من تقرّب فیہ بخصلة کان کمین

### ماہ رمضان میں

ادی فريضة فيما سواه ومن ادى

### تیکوں کا اجر عظیم

فريضة فید کان کمین ادى سبعین

فريضة فيما سواه۔ اس مہینے میں کسی معمولی نیکی سے قربت الہی حاصل کرنے والا ایسا ہے۔ جیسا کہ غیر رمضان میں کوئی فريضہ کے ذریعہ قربت حاصل کرے اور ہر شخص اس مہینے میں فرض ادا کرے، تو وہ ایسا ہے، جیسا کسی نے

غیر رمضان میں ستر فرض ادا کئے! ماہ رمضان کی خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوافل و سنن کو فريضہ کا مرتبہ عطا فرمایا اور فريضہ کو ستر فرضوں کی برابر قرار دیا ہے۔ کیونکہ رمضان کے متعلق احادیث میں آیا ہے ”اس مبارک مہینے میں دریا کی مچھلیاں اُمت محمدیہ کے لئے دعائیں کرتی ہیں“ ایک اور روایت میں ہے ”سرکش شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں“ ایک اور حدیث میں ہے ”روزہ دار کے مُنہ کی بُو اللہ تعالیٰ کو مشک سے زیادہ پسند ہے“ پھر ”نوافل“ اجر و ثواب میں ”فريضہ“ کے ہم پلہ ہو جائیں اور فرائض کا درجہ ستر گنا ہو جائے تو کیا بعید ہے۔

هو شهر الصبر والصبر ثواب المجتة۔

### صبر کا مہینہ

یہ مہینہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔

”سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تو اس مہینہ کو صبر کا مہینہ ارشاد فرماتے ہیں اور ہم ان کے کلمہ گو اسی مہینے میں ہر قسم کی بے صبری کے نوئے دکھلاتے ہیں۔ مہینہ شروع ہونے سے پہلے ہی کھلنے پینے کے سامان فراہم کرنے میں بے صبری کرتے ہیں۔ افطار کے انتظام میں بے صبری کرتے ہیں اور افطار کے وقت کی بے صبری تو اپنا حجاب نہیں رکھتی۔ یہ تو کھلنے پینے کی بے صبریاں ہوئیں۔ جھوٹ، غیبت، غیظ، غضب کی بے صبریاں خدا کی پناہ! پھر بتلائیے ایسی بے صبریوں کے روزے رکھ کر جنت کی امید کیسے کی جاسکتی ہے جبکہ ایک اور روایت میں اس کی تصریح بھی موجود ہے کہ بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ ان کو روزے کے ثمرات میں سے بھوکے رہنے کے سوا کچھ نہیں نصیب ہوتا۔“

### مسلمان کی غمخواری کا مہینہ

فیہ۔ یہ غمخواری کا مہینہ ہے اور اس مہینے میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے! یوں تو مسلمان کو مسلمان کے ساتھ ہر موافقہ اور ہر وقت میں غمخواری کرنی ضروری ہے۔ مگر رمضان کے

شہر المواساة و شہر یزاد سہ رزق المؤمن

کے مہینہ میں مسلمانوں کی غمخواری کی طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی توجہ دلائی ہے۔ اس مہینہ میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔ شاید کہ عام طور پر مسلمان اسی لئے اس مہینہ میں ان پشناپ، الم کلم، افطار و سحر میں اتنا بے اندازہ کھا جاتے ہیں کہ "افطار" کے بعد تراویح کا ادا کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور "سحر" کے بعد صبح کی نماز کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ درز اہل حقیقت یہ تھی کہ "ایک کا رزق دو چار کے لئے ہو کر رزق کی زیادتی کا نمونہ بننا اور اب دو چار کا رزق ایک اکیلا چٹ کر جانا۔"

## روزہ افطار کرنے والے کے لئے انعام الہی

من فطر فیہ صائماً کان مغفرة لذنوبہ وعتق رقبة من النار وکان له

مثلاً اجرہ من غیدان ینقص من اجرہ شئ قالوا یا رسول اللہ لیس کلتنا یجد ما یفطر الصائم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعطی اللہ هذا الثواب من فطر صائماً علی قمرة او شربة ماء او مذاق لہن۔ جو شخص کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے تو اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور اس کو جہنم سے چھٹکارا ملتا ہے۔ اور روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ہم میں سے ہر شخص تو اتنی وسعت نہیں رکھتا۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ ثواب تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی عطا فرمائیں گے، جو ایک کھجور، ایک گھونٹ پانی، ایک گھونٹ لسی سے بھی افطار کرا دے گا۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے ہوتے ہوئے ان لوگوں کے لئے کوئی بھی گنجائش نہیں رہتی۔ جو دوسروں کے یہاں افطار کرتے ہوئے گھبراتے اور کہتے ہیں کہ روزے کی شدت تو ہم نے برداشت کی، ثواب دوسروں کو کیوں ملے۔

ومن اسقی صائماً سقاء اللہ من حوضی شربة لا یظما حتی یدخل الجنة۔ جو شخص روزہ دار کو پانی پلائے اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض سے ایسا پانی پلا پیش کرے،

جو ان کو جنت میں داخل ہونے تک پیاس نہیں لگے گی۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ، جو روزہ داروں کی خدمت کرتے، ان کو کھانا کھلاتے، شربت و دودھ پلاتے ہیں، تو ان کے اجر کا اندازہ کیا لگایا جاسکتا ہے جبکہ صرف پانی پلانے پر حوض نبیؐ کا پانی قیامت کے تپے ہوئے میدان اور پیاس کی شدت کے وقت پلانے کا وعدہ کیا جا رہا ہے۔

## جہنم سے آزادی اور رحمت و مغفرت کا مہینہ

هو شهر اذل رحمة و اوسطه مغفرة و اخره عتق من النار من خفف عن

ملوکہ فیہ غفر اللہ له و اعتقه من النار۔ یہ ایسا مہینہ ہے کہ اس کے اول حصہ میں رحمت ہے، درمیان میں مغفرت ہے اور آخر میں جہنم سے آزادی ہے۔ جو اس مہینہ میں اپنے غلام، ملازم، خادم پر کاموں کو ہلکا کر دے (ان کے روزہ کی رعایت کرے) تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت اور جہنم سے رہائی کا وعدہ فرماتے ہیں۔ ہر مہینہ میں تین عشرہ ہوتے ہیں۔ رمضان کے پہلے عشرہ کو "رحمت" دوسرے کو "مغفرت" تیسرے کو "جہنم سے رہائی" کا عشرہ فرمایا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ سال کے سال گناہوں سے کنارہ کش رہتے ہیں اور طاعت و عبادت میں منہمک رہتے ہیں۔ ان کے لئے تو "رمضان" کے پہلے ہی دن سے رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور لوگ معمولی طاعت شعاری کے ساتھ کچھ نہ کچھ گناہوں میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں اور رمضان کے آتے ہی ایک دم گناہوں سے کنارہ کش ہو کر طاعت و عبادت میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ تو ایک عشرہ تک رمضان کی برکتوں سے مالا مال ہوتے ہوئے مغفرت کے حقدار بن جاتے ہیں۔ تو فرمایا "درمیان میں مغفرت ہے" اور جو لوگ سال کے سال طاعت و عبادت سے غافل اور نافرمانیوں میں مبتلا رہتے ہیں مگر رمضان کے آتے ہی گناہوں سے منہ موڑ کر ہر حق طاعت میں لگ جاتے ہیں، تو ہمیں دن کے بعد انکو

بھی کم از کم اتنا تو ہو ہی جاتا ہے کہ وہ اگرچہ رحمت خاصہ مغفرت عامہ سے بہرہ ور نہ بھی ہوں۔ تاہم ”جہنم“ سے نجات پا جاتے ہیں۔ اس لئے فرمایا۔ آخر میں اس کے لئے جہنم سے رہائی ہے۔ واللہ اعلم۔

واستکثروا فیہ من اربع خصال خصلتین رضون بہما ربکم وخصلتین لا غناء بکم

ماہ رمضان میں چار چیزوں کی کثرت کرو

عنہما فاما الخصلتان اللتان رضون بہما ربکم فاشہادۃ ان لا الہ الا اللہ وتستغفر وندہ وامل خصلتان اللتان لا غناء بکم عنہما فتسئلون اللہ الجنة وتعودون بہ من التمار۔ چار چیزوں کی اس مہینہ میں کثرت رکھا کرو۔ ان میں سے دو چیزیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اور دو چیزیں ایسی ہیں جن سے تمہیں چارہ کار نہیں۔ پہلی دو چیزیں وہ ہیں جن سے تم اپنے رب کو راضی کرو ”لا الہ الا اللہ“ اور ”استغفار“ ان کی کثرت کرو۔ اور دوسری دو چیزیں جن سے تم کو چارہ نہیں ہے۔ وہ جنت کی طلب اور جہنم سے پناہ۔

ہیں۔ اس ارشاد نبویؐ میں چار چیزوں کی تاکید ہے کہ رمضان میں ان کی کثرت کی جائے۔ ”لا الہ الا اللہ“ تو یہ وہ چیز ہے کہ ہر وقت اور ہر زمانہ میں ”افضل اذکار“ ہے اور جنت کی کنجی ہے اور استغفار کی کثرت مصائب سے نجات دلانے والی اور گلو خلاصی کرائے والی ہے۔ اسی طرح ”جنت“ کی طلب اور جہنم سے پناہ کی دعاؤں کا حدیثوں میں انبار ہے۔ تو پھر ”رمضان“ جیسے برکت مہینہ میں کہ اجابت دعا کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔ ان چاروں کی کثرت کیا کچھ ثمرات نہ دلانے گی۔

مضمون اندازہ سے کچھ زیادہ طویل ہو گیا۔ تاہم مشائخ کہری نے روزے کی شرائط جو بتلائی ہیں۔ ان کی اجمالی فہرست تو اور بھی دیکھ ہی لو۔ کھانے پینے اور صحت سے بچنے کا نام تو روزہ ہی ہے۔ اپنی ”آنکھ“ اپنے ”کان“ اپنی ”زبان“ اپنے ”بدن“ کے تمام اعضا کو بچاتے ہوئے اور ”مال حرام“ سے بچتے ہوئے خدا کی بے نیازی کا نقشہ ہر وقت سامنے رکھو۔ وما علینا الا البلاغ۔

## رمضان المبارک کے متعلق مفید و معتبر مسائل

روزے میں نیت کی ضرورت کا بیان!

روزے میں نیت شرط ہے (نیت کے معنی دل کے ارادہ کے ہیں) اگر روزہ کا ارادہ ہمیں کیا اور تمام دن کچھ کھایا پیا نہیں تو روزہ ادا نہ ہوگا۔ رمضان کے روزہ کی نیت آدھے دن شرعی تک کر سکتا ہے یعنی تقریباً ساڑھے گیارہ بجے تک۔ اس کے بعد اگر نیت کرے گا تو معتبر نہ ہوگی۔ زبان سے نیت کرنی فرض نہیں۔ لیکن بہتر اور مستحب ہے کہ سحر کا کھانا کھا کر اس طرح نیت کر لیا کرے۔ بِصَوْتٍ غَدِیْ تُؤْتِیْ

مِنْ شَہْرِ رَمَضَانَ۔ اگر افطار کے وقت ہی نیت کرے۔ تب بھی جائز ہے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نیت کے بعد کھانا پینا جائز نہیں۔ یہ خیال بالکل غلط ہے بلکہ صبح صاف ہونے سے پہلے کھانا پینا وغیرہ بلاشبہ درست ہے۔ نیت کی ہویا نہ کی ہو۔

بھول کر کھانا پینا روزہ کو نہیں توڑتا۔ بلا اختیار حلق میں گرو وغبار یا کمی، چھپر چلے جانے

اُن باتوں کا بیان جن روزہ نہیں ٹوٹتا

سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ آنا پینے والے اور تبا کو گونے والے کے حلق میں جو آنا وغیرہ اڑ کر جاتا ہے، اُس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ کان میں پانی چلا جائے یا خود بخود آئے یا غاب میں غسل کی حاجت ہو جائے یا قے آکر خود بخود کوٹ جائے۔

ان سب باتوں سے روزہ نہیں جاتا اور کچھ خلل نہیں آتا۔ آنکھوں میں دوا ڈالنے سے روزہ نہیں جاتا۔ خوشبو سونگھنے سے کچھ خلل نہیں آتا۔ بلغم نکل جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اگر قصد اٹنے کی مگر تھوڑی سی (یعنی منہ بھر سے کم) تو روزہ نہیں جاتا۔ تھوڑی سی قے آئی اور قصد اٹنا کر نکل گیا۔ تو اس میں اختلاف ہے۔ اگر کوئی روزہ میں بھول کر کھاپی رہا ہے اور قوی و تندرست ہے تو اس کو یاد دلادینا جائز ہے۔ اگر ضعیف و ناتوان ہے تو نہ یاد دلانا درست ہے۔ اگر خود بخود مسواک وغیرہ کرنے سے دانتوں میں خون نکلے، لیکن حلق میں نہ جلے تو روزہ میں خلل نہیں آتا۔ اگر خواب میں یا صحبت کرنے سے رات کو غسل کی حاجت ہوئی۔ اور صبح صادق ہونے سے پہلے غسل نہیں کیا تو روزہ میں خلل نہیں آتا۔ اگر دن کو سوتے ہوئے غسل کی حاجت ہو گئی تو روزہ میں ذرہ بھی نقصان نہیں آتا۔

**جن باتوں سے قضا واجب ہوتی ہے** کان یا ناک میں دوا ڈالنا، قصد منہ بھرتے کرنا، قصد اٹنے بھرتے آئی تھی، اُس کو نکل جانا،

گلی کرتے ہوئے حلق میں پانی چلے جانا، یہ سب چیزیں روزہ کو توڑنے والی ہیں، مگر صرف قضا آئے گی۔ کفارہ واجب نہیں۔ کنکر یا لوبے تانبے وغیرہ کو نکل جائے، تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اور صرف قضا واجب ہوگی۔ کفارہ نہیں۔ رات سبھ کر صبح صادق کے بعد سحری کھالی۔ تو اُس روزہ کی قضا واجب ہوگی۔ دن باقی تھا، غلطی سے سمجھ کر کہ آفتاب غروب ہو گیا، روزہ کھول لیا، تو قضا واجب ہوگی۔ کفارہ نہیں۔ جان بوجھ کر بھول بھولنے کے صحبت کرنا، کھانا پینا و نہ کو توڑنا ہے۔ اور قضا بھی آتی ہے اور کفارہ بھی۔ کفارہ یہ ہے

کہ ایک غلام آزاد کیا جائے۔ اس کی طاقت نہ ہو، تو متواتر ساٹھ روزے رکھے۔ اس کی طاقت بھی نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلائے (مفضل حال کسی عالم سے دریافت کریں)

**جن چیزوں سے روزہ مکروہ** بلا ضرورت کسی شے کو چبانا یا ناک وغیرہ کا ذائقہ چکھ کر تھوک دینا مکروہ ہے۔ قصد اٹنے میں تھوک اکٹھا کر کے نکل جانا مکروہ تمام دن ناپاک رہنا سخت گناہ ہے اور روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔ قصد کرنا، بچھنے لگوانا، روزہ میں مکروہ ہے۔ غیبت، بد گوئی، لڑائی جھگڑا، روزہ کو مکروہ کر دیتے ہیں اور ثواب بہت کم رہ جاتا ہے۔ مسواک کرنا، سر پہ یا مونچھوں پر تیل لگانا مکروہ نہیں۔ آنکھ میں دوا ڈالنا مکروہ نہیں۔ سرمہ لگانے سے یا سرمہ لگا کر سو جانے سے روزہ میں کچھ خلل نہیں آتا۔ تاوقت لوگ جو مکروہ سمجھتے ہیں، بالکل غلط ہے۔ خوشبو سونگھنا مکروہ نہیں۔ اگر بیوی کو اپنے خاوند کو کرکواپنے آقا کے غصے کا اندیشہ ہو، تو کھلنے کا نمک چکھ کر تھوک دینا مکروہ نہیں۔

**روزہ نہ رکھنے کی اجازت کا بیان** اگر مرض کی وجہ سے روزہ رکھنے

کی طاقت نہ ہو، تو رمضان میں روزہ نہ رکھے۔ تندرستی کے وقت قضا کرے۔ اگر روزہ رکھنے کی وجہ سے مرض کے نیا وہ ہو جائے کا خوف ہے۔ تب بھی روزہ چھوڑ دینا جائز ہے۔ پھر قضا رکھے۔ حاملہ کو اگر بچے یا اپنی جان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، تو روزہ چھوڑ دینا اور پھر قضا کر لینا جائز ہے۔ پیش یا غیر کے بچے کو دودھ پلاتی ہو اور روزہ رکھنے کی وجہ سے ضرر ہو، تو قضا کر لینا جائز ہے۔ ہمارے نواح کے چھتیس کوں یعنی انگریزی آرٹائلس میل کا سفر ہو یا اس سے زیادہ ہو، وہ سفر شرعی کہلاتا ہے۔ یعنی ایسے سفر میں مسافر کو

روزہ کے صدقہ کی وصیت کر گیا ہے تو ادا کرنا لازم و واجب ہے۔

### سحر کھانے کا بیان اور فضیلت

اور باعثِ ثواب ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سحر کھایا کرو کہ اس میں بڑی برکت ہوتی ہے۔ یہ ضرور ہیں کہ خوب پیٹ بھر کر کھائے، بلکہ ایک یا دو لقمہ یا چھوٹے کھانے کا ٹکڑا یا دو چار دانے چبائے گا۔ تب بھی سنت کا ثواب پائے گا۔ افضل اور بہتر یہ ہے کہ رات کے آخری حصہ میں صبح صادق ہوئے سے ذرا پہلے کھائے۔ اگر دیر ہوگئی اور گمان غالب یہ ہے کہ صبح صادق ہوگئی، تو سحر نہ کھانا چاہیے۔ اور اگر گمان غالب رات کا ہو، تو کھالے۔ پھر اگر کسی طرح معلوم ہوا کہ فی الحقیقت صبح ہوگئی تو شام تک رُکنا اور پھر قضا رکھنا لازم ہے اور اگر کسی طرح یا مؤذن نے صبح صادق سے پہلے اذان دے دی تو سحر کھانے کی مانعت نہیں۔ جب تک صبح صادق نہ ہو جائے، بلا تکلف کھاؤ پیو۔

### روزہ افطار کرنے کا بیان

کرنی چاہیے۔ البتہ جس روز اہر ہو، احتیاط کے لئے ذرا دیر کرنا بہتر ہے۔ کھجور یا خرما سے افطار کرنا سنون اور باعثِ ثواب ہے۔ اگر یہ نہ ہوں تو پانی بہتر ہے۔ آگ کی پکی ہوئی چیز مثلاً روٹی، چاول، شیرینی وغیرہ سے افطار کرنے سے ہرگز کراہت یا نقصان روزہ میں نہیں آتا۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ کوئی پھل وغیرہ دوسری چیز ہو اور خرما و کھجور سب سے افضل ہے اگر کسی دوسرے کی دی ہوئی چیز سے روزہ افطار کر دے۔ تو تمہارا ثواب ہرگز کم نہ ہوگا۔ اس کو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے ثواب عطا فرمائے گا۔ پھر تم اس کو واپس کر کے کیوں نہیں کہلاتے ہو۔ البتہ یہ مال حرام یا مشتبہ ہو تو ہرگز قبول نہ کرو حدیثِ واقعہ سے ثابت ہے کہ اگر روزہ افطار کرنے اور کھانے پینے کی وجہ سے مغرب کی نماز میں دس بارہ سنت کی تاخیر

اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے۔ واپس آنے کے بعد قضا کرے۔ اگر کوئی مسافر دوپہر سے پہلے اپنے وطن واپس پہنچ گیا، اور اب تک کچھ کھایا یا پیا نہیں، تو اس پر واجب ہے کہ روزہ پورا کرے۔ کیونکہ اب سفر کا عذر باقی نہیں رہا۔ اگر کوئی شخص کسی تیز سواری یا ریل میں دو تین گھنٹہ میں اٹھائیں تھیل پہنچ جائے گا۔ اس کے لئے بھی سفر کی خصت یعنی ناز کا قصور و افطار کی اجازت حاصل ہو جائے گی۔ بہت بوڑھا، ضعیف، جس کو روزہ میں تہایت شدید تکلیف ہوتی ہے روزہ نہ رکھے۔ اور ہر روزہ کے بدلے پونے دو سیر گندم وزن انگریزی مسکین کو دے، لیکن اگر پھر کبھی طاقت اچھلے، تو قضا رکھنی ضروری ہوگی۔ عورت کا اپنے معمولی عذر یعنی حیض کے ایام میں روزہ رکھنا درست نہیں۔ اسی طرح پیدائش کے بعد جتنے دن خون آدے۔ جب خون بند ہو جائے، روزہ رکھنا چاہیے۔ ان کو بلا تکلیف سب کے سامنے کھانا پینا نہیں چاہیے، بلکہ قسطنطنیہ رمضان المبارک لازم ہے۔

### روزہ توڑنے کا بیان اور قضا رکھنے کا ذکر

نہیں۔ پس اگر ایسا سخت بیمار ہو گیا کہ روزہ نہ توڑے تو جان کا اندیشہ غالب ہے یا بیماری بڑھ جانے کا احتمال غالب ہے یا ایسی شدید پیاس لگی ہے کہ مرجائے گا۔ تو روزہ توڑ ڈالنا جائز بلکہ واجب ہے۔ اگر کسی عذر سے روزے قضا ہو گئے ہوں، تو جب عذر جلتا رہے، جلد ادا کر لینے چاہئیں۔ کیونکہ زندگی کا بھروسہ نہیں کیا خبر موت آجائے اور فرضِ ذمہ پورا رہے۔ مثلاً بیمار کو مرض سے صحت پانے کے بعد اور مسافر کو سفر سے آنے کے بعد جلد ادا کر لینا چاہیے۔ قضا رکھنے میں اختیار ہے کہ متواتر یعنی لگاتار رکھے یا جدا جدا متفرق۔ اگر قضا رکھنے کا وقت پایا، لیکن بغیر ادا کئے مر گیا تو مناسب ہے کہ وارث ہر روزہ کے بدلے پونے دو سیر گندم صدقہ کریں۔ اور اگر مال چھوڑ گیا ہے۔ اور

مقتدیوں کو۔ اس قدر جلد پڑھنا کہ حروف کٹ جائیں، سخت گناہ ہے۔ نابالغ کو تراویح میں امام بنانا جائز نہیں۔ ہدایہ وغیرہ سے ایسا ہی ثابت ہے۔

**اعتکاف اور شبکہ**  
آخر عشرہ میں اعتکاف سنت ہے۔ اگر تمام بستی میں کوئی شخص بھی نہ کرے تو سب کے ذمہ ترک سنت کا بیان۔

کا وبال رہتا ہے۔ اعتکاف اس کو کہتے ہیں کہ اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں رہنا اور سوائے حاجت ضروری اور غسل و وضو کے باہر نہ آنا۔ خاموش رہنا اعتکاف میں ہرگز ضروری نہیں۔ البتہ نیک کلام کرنا اور بد کلامی اور لڑائی جھگڑے سے بچنا چاہیے۔ اعتکاف اس مسجد میں ہو سکتا ہے جس میں پنجگانہ نماز جماعت سے ہوتی ہو اگر پورے اخیر عشرہ کا اعتکاف کرنا ہو، تو بیس تا بیس کو آفتاب غروب ہونے سے پہلے مسجد میں چلا جائے۔ اور جب عید کا چاند نظر آئے تو اعتکاف سے باہر ہو۔ یہ بھی جائز اور باعث ثواب ہے کہ ایک دو روز یا ایک آدھ گھنٹہ کے لئے اعتکاف کی نیت سے مسجد میں رہے۔ شبکہ، رمضان کے اخیر عشرہ میں ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸ کو ہونا حدیث میں وارد ہے۔ لہذا ان مخصوص راتوں میں بہت محنت سے عبادت میں مشغول رہنا چاہیے۔

کردی جائے۔ تو کچھ مضائقہ نہیں اور افطار کرنے سے پہلے یہ مختصر دعا کافی ہے۔ اللہم لك صحت وعلم وزك انتظرت اور افطار کرنے کے بعد یہ پڑھے۔ ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَ انْتَبَتِ الْعُرْفُ وَ ثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْشَاءُ اللَّهِ تَعَالَى۔

**تراویح اور وتر کا بیان**  
عشاء کے فرض اور سنت کے بعد بین رکعت تراویح باجماعت مسنون ہے۔ جو لوگ بارہ یا آٹھ بتلاتے ہیں، غلط ہے۔ اگر حافظ بلا معاوضہ پڑھنے والا بل جائے، تو تمام رمضان میں ایک قرآن مجید ختم کر دینا چاہیے۔ اس قدر زیادہ پڑھنا مکروہ ہے کہ جس سے اکثر مقتدیوں کو تکلیف ہو۔ اور تین دن سے کم میں ختم کرنا اچھا نہیں۔ اگر تراویح میں دو رکعت پر بیٹھنا بھول گیا اور پوری چار پڑھ کر سلام پھیرا۔ تو ان چاروں کو دو کی جگہ شمار کرنا چاہیے۔ چار نہ سمجھیں جس شخص کی دو چار رکعت تراویح کی رہ گئیں، وہ امام کے ہمراہ باجماعت وتر پڑھ لے۔ اور پھر اپنی باقی تراویح ادا کرے تو درست ہے۔ جس شخص کو عشاء کے فرض باجماعت نہیں ملے۔ وہ وتر کو امام کے ساتھ باجماعت پڑھ سکتا ہے۔ جو حافظ روپے کے طے میں قرآن مجید سناتا ہے، اس سے وہ ۱۴ بہتر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے پڑھ لے۔ اگر اجرت مقرر کر کے قرآن مجید سنایا جائے تو نہ امام کو ثواب ہوگا، نہ

## شمس الاسلام کی ضخامت میں افسوسناک کمی

کاغذ کی انتہائی گرانی نے جہاں کثیر الاشاعت اور سرمایہ دار اخباروں تک کا حال تپلا کر رکھا ہے۔ وہاں شمس الاسلام "انٹرنیٹ" مذہبی اور بے زور بے کس ماہنامہ کو جن مشکلات کا سامنا ہو سکتا ہے۔ انکا صحیح اندازہ وہی لوگ لگا سکتے ہیں۔ جو خود اس قسم کے بتلاؤ میں مبتلا رہ چکے ہیں۔ ڈیڑھ دو روپے سالانہ چندہ میں ۴۴ صفحات کے بارہ رسائل خریدار کو دینے سے ناقابل برداشت نقصان دہ فرق پہنچ رہا ہے اور یہ خسارہ کسی طرح پورا ہوتا نظر نہیں آتا۔ آئندہ بھی اس خسارہ کو برداشت کرنا ہمارے لئے ناممکن ہے۔ اس لئے رسالہ کی ضخامت ۴۴ صفحات کی بجائے ۳۶ صفحے کردی گئی ہے۔ امید ہے کہ خریدار حضرات اس کمی کے لئے ہمیں معذور و قصور مانگیں ہم نے انتہائی مجبوری کی بناء پر یہ قدم اٹھایا ہے۔ (منہج "شمس الاسلام" بیروہ)

# عید اور اس کی حقیقت :

(از مرتب)

اسلام چونکہ خدا کی طرف سے ہے۔ اس لئے اس میں انما اولیٰ ما فیہ خیر شیعۃ الہی اور تقویٰ و پرہیزگاری کا جلوہ نظر آتا ہے۔ دین حنیف نے کسی حالت میں بھی لہو و لعب اور فراغات میں غرقیت وقت اور دلکے برباد کرنے کی اجازت نہیں دی۔ جتنی خوشی کے تہواروں میں بھی آپ کو یہ چیزیں نہ ملیں گی۔ البتہ ایسی ہدایات ضرور پائی جاتی ہیں کہ اگر ہم ان پر عمل پیرا ہو جائیں تو ہمارا موجودہ تغفل، غلو و پریشانی سے مبتدل ہو سکتا ہے اور ہمیں ابدی مسرت اور دائمی عید نصیب ہو سکتی ہے۔

اسلامی اور غیر اسلامی  
تہواروں میں فرق

غیر مسلموں کے تہواروں کے مناظر کو دیکھ کر ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ ان میں لہو و لعب، فحش و منکرات اور سو قیانہ مشاغل کے سوا تقویٰ اور روحانیت کا نام تک نہیں، لیکن جس قدر اسلامی تہوار ہیں، ان کی حقیقی غرض و غایت صرف یہ ہے کہ لوگوں میں عالمگیر طور پر خدا ترسی اور بلہیت (جس کے ضمن میں بیسیوں دیگر اوصاف و محاسن بھی حاصل ہو جاتے ہیں) کا دلولہ اور جوش پیدا کیا جائے اور صرف تہواروں ہی کی کیا خصوصیت ہے۔ اسلام تو انسان کے ہر قول و فعل اور ہر سکون و حرکت میں خدائے قدوس کی رضا جوئی کا درس دیتا ہے۔ قُلْ اِنِّیْ صَلَوْتُ وَ نَسِیْتُ وَ عِیْنِیْ وَ صَمَعَتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (یعنی) یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میری نماز اور قربانی، زندگی اور موت محض خدائے رب العالمین کیلئے ہے۔ پس جو مسلمان اس مقدس تعلیم کو اپنا دستور العمل بنا چکا ہے۔ وہ ہر حال میں چاہے خوشی ہو یا غمی، عید ہو یا محرم کبھی کوئی ایسی حرکت نہیں کر سکتا جو رمضان کے مولا کے خلاف ہو۔

## دو بہترین دن

مشکوٰۃ شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ

تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ شریف میں تشریف لائے، تو دیکھا کہ اہل مدینہ دو دنوں میں کھیلتے اور خوشی مناتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ یہ کیسے دن ہیں؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ ہمس زمانہ جاہلیت میں ان دنوں کھیلتے اور خوشی منایا کرتے تھے۔ (یعنی یہ دم قدیم سے چلی آتی ہے) اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دو دنوں سے بہتر دو دن تمہارے لئے مقرر فرمائے ہیں۔ ایک عید الفطر کا دن اور دوسرا عید الاضحیٰ کا دن (ادکما قال صلی اللہ علیہ وسلم)

## غیر اسلامی تہواروں میں شرکت ممنوع ہے

اس حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی توجہ کو غیر اسلامی تہواروں سے

ہٹا کر عیدین کی طرف منقطع کرائی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ آجکل کے بعض مسلمانوں کو "رواداری" کا ہدیہ ہو گیا ہے اور وہ عیسائیوں اور ہندوؤں کے خالص غیر اسلامی بلکہ مشرکانہ تہواروں کی تقریب پر ان کو تھکنے، تحائف بھجھنے، بہار کیا دیتے اور ان کے تہواری جلسوں، جلسوں میں شریک ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہ حرکت اگر لہو و لعب کے طور پر ہو تو سخت گندہ ہے اور اگر ان مشرکانہ تہواروں کی عظمت و تقدیس کے طور پر ہو، تو ہمارے انخار امت اور فقہاء ملت رحمۃ اللہ علیہم نے اس کو کفر قرار دیا ہے۔ اعادنا اللہ منہ۔

جب خود اسلامی تہواروں میں کسی مسلمان کو خلاف شریعت حرکت و افعال کی اجازت نہیں تو ان کو ایسے تہواروں میں شریک ہونے کی کیونکر اجازت دی جاسکتی ہے جو لہو و لعب اور فحش و منکرات کے لئے موضوع اور کفر و کفرہ کی رونق و شوکت کا باعث ہوں۔ اس سے ہر مسلمان کو محترز رہنا چاہیئے۔ حق تعالیٰ نے



ارشاد فرمایا ہے ”تَعَادُوا عَلٰی الْبِرِّ وَ اتَّقُوا ذٰلِكَ تَعَادُوا“  
 عَلٰی الْاَشْعَرِ وَالْعَدَا وَ اَنْ“ (یعنی) نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک  
 دوسرے کی مدد کرنا اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد  
 نہ کرو۔“

**خصوصیات عید** دیکھنا یہ ہے کہ اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے عید کو جو بہترین دن فرمایا ہے تو اس کی  
 وجہ کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ نئے کپڑے پہننا، لذیذ اور عمدہ غذا میں کھانا،  
 سیر و تفریح اور خوش گیتوں سے دل بہلانا، عید کے بہترین دن  
 ہونے کا باعث نہیں ہے۔ ورنہ ہندوؤں اور عیسائیوں کے تہوار  
 بہترین دن قرار پائیں گے کیونکہ جس فراوانی کے ساتھ  
 یہ لوگ اپنے تہواروں پر روپیہ صرف کر کے دیوتی لڈائز و نعم حاصل  
 کر سکتے ہیں بلکہ کرتے ہیں، اس کا عشرِ عشر بھی نہیں حاصل نہیں۔  
 تو معلوم ہوا کہ عید کا تقدس دن اگر تمام تہواروں پر فضیلت رکھتا ہے،  
 تو صرف ان خصوصیات کی وجہ سے، جن سے تمام غیر اسلامی تہوار  
 یکسر خالی و عاری ہیں۔

**فکر عاقبت** انسان کو خوشی اور فرحت کے وقت میں بھی موت  
 و عاقبت کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ خوشی  
 منانے سے پہلے اپنے مستقبل کو دیکھنے کی ضرورت ہے۔ مسرت  
 و فرحت میں اس قدم نہ ہک نہ ہوتا چاہیئے کہ گناہوں سے نفرت،  
 عاقبت کی فکر اور اللہ کا خوف باقی نہ رہے۔ عید بیشک خوشی کا  
 دن ہے لیکن یہ خوشی غروبِ آفتاب کے ساتھ نہصت ہو جائیگی۔  
 جس خوشی کی عمر صرف چند گھنٹے ہو، اس میں سوچنا کہ کیاں کی  
 عقل مند ہے۔

پس اگر انسان کو دائمی اور ابدی عید اور لازوال و غیر فانی  
 مسرت مطلوب ہو، تو اسے حق تعالیٰ کے ساتھ پیانِ مودت باندھ کر  
 اسے راضی کرنا چاہیئے۔

**غریبا و مساکین کی خبر گیری** عید کے دن مسلمان شادان و فرحان دکھائی  
 دیتے ہیں۔ ہر طرف پہل پہل نظر ترقی ہے  
 لیکن اس غریب قوم میں ایسے ہزاروں

لاکھوں افراد موجود ہیں۔ جن کے پاس بدن ڈھانپنے کو کپڑا اور کھانا  
 کورٹی کا ٹکڑا بھی نہیں ہے۔ سینکڑوں ایسی مصیبت زدہ عورتیں  
 ہیں، جن کا شہاک ٹٹ چکا ہے اور ان کی زندگی فاقہ جی اور  
 تنگ دلی کی وجہ سے تلخ ہو رہی ہے۔ سرِ بارِ رحمت اسلام نے  
 ہر مستطیع مسلمان پر لازم و واجب کر دیا ہے کہ وہ عید الفطر کے  
 روز اپنے اور اپنے اہل و عیال کی طرف سے غربائے امت میں  
 صدقہ فطر تقسیم کرے تاکہ وہ بھی عید کی خوشی میں شرکت کر سکیں۔  
 صدقہ فطر دینے والا کو یا علی رنگ میں حق تعالیٰ کا اس  
 امر پر شکر یہ ادا کرتا ہے کہ اس نے رمضان المبارک کے روزے  
 رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائی اور صدقہ دے کر گویا وہ حق تعالیٰ  
 سے اپنی اُن خطاؤں اور غلطیوں کے عفو کا مستحق ہوتا ہے۔ جو  
 ایامِ حیام میں بتقاضائے بشریت اس سے سرزد ہوئیں۔  
 اس کے علاوہ غربا و مساکین کی مدد کر کے وہ ٹوٹے ہوئے  
 دلوں کو جوڑ رہا ہے۔ جو خود ایک عبادت ہے۔ حج  
 دل پرست آدمی کے حج اکبر است

**دربار الہی کی حاضری** ہندوؤں کے ہاں ہولی وغیرہ تہواروں  
 پر کیسے شرمناک نظارے دکھائی  
 دیتے ہیں۔ عورتوں اور مردوں کا ڈھول دھپتانا، ہاتھ پائی لڑانا،  
 گالی گلوچ بکنا، کیچڑ اور غلاظت اُچھالنا، کسی سے پوشیدہ  
 نہیں۔ لیکن مسلمانوں کی عید آتی ہے، تو امیر و غریب، راعی  
 و رعایا، عالم و جاہل، آقا و غلام، بڑے اور جوان مسلمان سنا  
 مستحقرے اور عمدہ سے عمدہ کپڑے پہن کر خوشبو لگا کر اپنے  
 مولائی عظمت و کبریائی کا ورد کرتے ہوئے عید گاہ کو روانہ ہوتے  
 ہیں۔ وہاں پہنچ کر بلا تفریق قومیت و رتبہ سب مل کر خدائے قدس  
 کی بارگاہِ عالی میں جبینِ نیاز اور میر تسلیم خم کرتے ہیں۔ نماز  
 کے بعد خطیب کھڑا ہو کر حقیقی اور غیر فانی عید کے حاصل کرنے  
 کے وسائل پر خطبہ دیتا ہے۔ جسے حاضرین و قارِ آمیز خاموشی  
 اور ادب آموز سکوت کے ساتھ سنتے ہیں۔ اس سے فارغ ہو کر  
 لوگ شادان و فرحان اور ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہوئے

نہت ہو جاتے ہیں۔

## ظاہر و باطن دونوں کی اصلاح

شعائر دینی اپنے ظاہر کے لحاظ سے بھی مطلوب ہیں اور باطن کے اعتبار سے بھی۔ جو لوگ مثلاً مشرقی

وغیرہ ظاہر کے منکر ہیں۔ وہ دراصل باطن کے بھی قائل نہیں اس لئے عید کے یہ ظاہری مہج پر درنظارے بھی اس دورِ انحطاط

میں بسا غیبت ہیں۔ یہ نظارے مسلمانوں کے ایمان کی تقویت کا باعث تو نہیں ہی، بار بار غیر مسلموں سے بھی خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ اور یقیناً ایسے پاک تہوار کی مثال دنیا کا کوئی مذہب

پیش نہیں کر سکتا لیکن کاش ہم لوگ اس سے کوئی ٹھوس اور پائدار فائدہ حاصل کرتے۔ اسلامی احکام میں جس قدر اسرار و حکم مضمر ہیں، وہ اگر ہمارے پیش نظر رہیں تو ہماری بگڑی ہوئی حالت بہت جلد سدھر سکتی ہے۔ عید کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ اس میں کس قدر مصالح و فوائد پائے جاتے

ہیں۔ فکر آخرت، خوف ربانی، رحم دلی، سخاوت، اخوت، ہمدردی، یک جہتی، مساوات، انکسار و تواضع اور وقار و تکنت ایسے اوصاف حسنہ اور فضائل جمیلہ کا سبق صرف عید کے دن انسان حاصل کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ کوئی حاصل کرنا چاہے۔

مگر ہماری حالت بالکل دگرگوں ہے نا جائز مشاغل بہت سے نوجوان صرف لذت و مرقع غذا کھانے اور فینسی کپڑے پہننے کو عید سمجھے بیٹھے ہیں بعض کو تو عید کے دن بھی نماز نصیب نہیں ہوتی۔ اور بعض رسمی طور پر نماز تو پڑھ لیتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد اُن کا سارا دن تاش بازی، شیر بازی، پتنگ بازی، شطرنج بازی اور گپوٹیشن میں برباد ہو جاتا ہے۔ اور اگر ان سے کوئی زیادہ رنگیلا ہے تو اُسے چمکے اور شراب خانہ کی خاک چھاننے ہی سے فرصت نہیں ملتی۔ غرض توبہ و استغفار کے بجائے وہ اپنے عمل سے خدائے قہار کے عذاب کو دغوت دیتا ہے

## ناجائز مشاغل

بہت سے نوجوان صرف لذت و مرقع غذا کھانے اور فینسی کپڑے پہننے کو عید سمجھے بیٹھے ہیں بعض کو تو عید کے دن بھی نماز نصیب نہیں ہوتی۔ اور بعض رسمی طور پر نماز تو پڑھ لیتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد اُن کا سارا دن تاش بازی، شیر بازی، پتنگ بازی، شطرنج بازی اور گپوٹیشن میں برباد ہو جاتا ہے۔ اور اگر ان سے کوئی زیادہ رنگیلا ہے تو اُسے چمکے اور شراب خانہ کی خاک چھاننے ہی سے فرصت نہیں ملتی۔ غرض توبہ و استغفار کے بجائے وہ اپنے عمل سے خدائے قہار کے عذاب کو دغوت دیتا ہے

اپنے عمل سے خدائے قہار کے عذاب کو دغوت دیتا ہے

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایسی مذموم جہالت سے محفوظ رکھے۔

آہ! کتنے ہی یتیم بچے اس دن فیشن پرستی کی وبا میں روٹی کے ایک ایک

ٹکڑے کے لئے ترس کر رہ جاتے ہوں گے۔ کتنی ہی بیوہ عید میں ہونگی، جن کے لئے عید کا دن حسرتوں اور سرد آہوں کا دن ہوگا۔ ایسے ہزاروں غریب مسلمان ہیں، جن کے چوٹے میں عید کے دن بھی آگ نہیں جلتی۔ لیکن جن لوگوں کو منعم حقیقی نے مال دیا ہے۔ اُن کا اکثر و بیشتر حصہ الیا بے دروہے کہ انہیں اس قومی مصیبتِ عظمیٰ کا قطعاً

احساس نہیں۔ ہمارے اکثر جدید تعلیم یافتہ اور ذی ثروت بھائیوں کو سنیما، تھیٹر، کلب، میچ، ٹی پارٹی اور اسی قبیل کی دوسری دلچسپیوں ہی سے فرصت نہیں ملتی۔ وہ دو کاموں میں سے ایک ہی کام کر سکتے ہیں یا مسلمانوں کی مصیبتوں میں اُن کا ساتھ دیں گے اور یا اپنے مسرفانہ مصارف اور فیشن کو قائم رکھ سکیں گے۔

وہ عید کے روز جہاں اپنے بال بچوں کی خاطر سینکڑوں ٹپے صرف کر دیتے ہیں۔ کاش وہاں اُن کو یتیم بچوں اور بیوہ عورتوں کی آہ و زاری پر بھی رحم آئے۔ کاش وہ صابر و شاکر اور سفید پوش غریب مسلمانوں کی مصیبتوں کو معلوم کر کے اُن سے عملی ہمدردی کرنے کی عادت ڈالیں۔

پس خوب سمجھ لو کہ عید و میل عید کس کے لیے ہے؟ اُس شخص کے لئے ہے۔ جو اس روز اپنے قلب میں تقوٰیٰ، خدا ترسی، رحم دلی، فیاضی ایسے اوصاف پیدا کر کے اپنے الگ کو خوش کرتا ہے۔ اُس شخص کے لئے عید نہیں بلکہ وعید ہے، جو اپنے متفویض شکم کو پُر کر کے تو دہڑھلائے اور نفسانی خواہشات کی پیروی کو عید قرار دے چکا ہے۔ حق تعالیٰ تمام مسلمانوں کو عیدِ عید کی حقیقی مسرتوں اور دُرُوحانی لذتوں سے سرفراز اور بہرہ فرمائے ع این دعا از من و از جملہ جہاں آئیں باد

(باقی صفحہ کے صفحہ)

# حضرت سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ

(۶)

(انجناب مولوی شیخ محمد یعقوب صاحب افسر سرحدات ریاست پٹیالہ)

## فصل ششم

نتیجہ اور خاتمہ

تہدید میں جو امور تحقیق طلب قرار دیئے گئے تھے۔ ان پر

فصلہائے گذشتہ میں کافی روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ لیکن بعض اصحاب ایسے معاملات میں صاحب فن بزرگان کی شہادت پر بھی صبر فرمایا کرتے ہیں۔ اس لئے ان کے پاس خاطر سے چند ایسے بزرگان دین اور ائمہ فن محدثین کی شہادات نقل کی جاتی ہیں۔

روپے کی مالیت سے بھی کم رہ جائے یا کچھ بھی نہ رہے تو اس پر صدقہ فطر واجب نہیں۔ صدقہ فطر ایک آدمی کی طرف سے آدمی چھٹانک اوپر پڑے دوسیر گندم (انگریزی وزن) اور جو اس سے دو گنا دینا چاہیے (احتیاط اس میں ہے کہ گہیوں دوسیر اور جو اس سے دو گنا دیا جائے) اگر اس قدر فقہ کی قیمت دیدے تو یہ جائز بلکہ بہتر ہے۔ غیروں کی نسبت اپنے غریب اور مفلس عزیزوں اور رشتہ داروں کو صدقہ فطر دینا زیادہ اجر و ثواب رکھتا ہے اس کو برپہ فتن میں عربی خوان طلباء پر صدقہ فطر تقسیم کرنا بہترین خدمت دینی ہے۔ صدقہ فطر عید کی نماز سے پہلے ادا کرنا بہت ثواب رکھتا ہے۔ صدقہ فطر واجب ہونے کے لئے روزہ رکھنا شرط نہیں بلکہ اگر کسی شخص نے کسی عذر سے یا یونہی غفلت سے روزے نہیں رکھے۔ جب بھی وہ صدقہ فطر ادا کرے (بلا عذر روزہ نہ رکھنے کا گناہ اس کے ذمہ ہوگا) عید کے روز غسل کرو۔ اچلے اور صاف کپڑے پہنو۔

## یوم عید

میسر ہو، تو خوشبو لگاؤ۔ عید گاہ کو سویرے جاؤ جس راستہ سے گئے، اُسے چھوڑ کر دوسری راہ سے واپس آؤ۔ عید کا خطبہ ان وسکون سے بیٹھ کر سنو۔ اس روز جس قدر خیرات و صدقات کرتے کی طاقت ہو، کرو۔ غریبوں کی خبر لو اور مفلسوں کی مدد کرو۔

اللَّهُمَّ وَفَّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضَى۔

(بقیہ از صفحہ ۲۹) اب آخر میں چند مسائل ضروریہ ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرتا ہوں :-

**شب عید کی فضیلت** حدیث شریفہ میں ہے کہ جو شخص عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی رات میں بیدار رہا۔ اس کا دل اس دن مردہ نہ ہوگا جبکہ دل مردہ ہوں گے (یعنی وہ قیامت کے روز جبکہ لوگ سختیوں سے پریشان خاطر ہوں گے، دہشت زدہ نہ ہوگا)

**صدقہ فطر کے مسائل** ہر اُس مسلمان پر صدقہ فطر کا ادا کرنا واجب ہے۔ جس کے

پاس حاجات اصلیہ سے زائد ساڑھے پاون روپے نقد یا اس سے زیادہ ہوں۔ یا اتنی قیمت یا اس سے زیادہ کا زیور یا کوئی مال، زمین، جائیداد یا سامان تجارت ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ مال یا روپیہ سال بھر تک محفوظ رہے۔ یہی قدر مال یا روپیہ کے مالک کو برپہ فتن سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا چاہیے۔ بیوی کی طرف سے شوہر اور بالغ اولاد کی طرف سے باپ پر صدقہ فطر واجب نہیں۔ جس شخص کے ذمے اتنا فرض ہو کہ اگر اس کے ادا کرنے کا حساب لگایا جائے۔ تو تمام مال صرف ہو کر ساڑھے پاون

جن پر اس وقت رجال حدیث کا دار و مدار ہے اور انکی تصانیف محدثین کے علم کا آئینہ ہیں۔

۱۔ علامہ شمس الدین فہمیؒ تذکرۃ الخلفاء کے خطبہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہذا تذکرۃ

باسماء محدثی حلة العلم المنسوی ومن رجع الے اجتہادہم فی التوثیق والتضعیف والتصحیح والتزئیف۔ یعنی میری اس کتاب میں صرف ان محدثین کا تذکرہ ہے جو نہایت عادل، ثقہ فن حدیث کے مجتہد ہیں جن کے فتاویٰ پر حدیث کی صحت، رد و قبول کا مدار ہے۔

اس کتاب میں وہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں (ترجمہ لفظی) "ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما نقیبہ عراق مشہور میں پیدا ہوئے۔ حضرت انسؓ صحابی جب کوفہ میں آئے تو امام صاحب چند بار انکی زیارت کی برکت سے مشرف ہوئے۔ ابن سعدؒ نے سیف بن جابرؒ سے نقل کیا ہے کہ سیف نے خود امام صاحب سے یہ سنا ہے کہ امام صاحبؒ نے حضرت انسؓ کو دیکھا۔ امام صاحبؒ نے عطاء، نافع، ابن ہریرہ، ابن ثابت، سلمہ، ابو جعفر، محمد بن علی، قتادہ، ابن دینار، ابو اسحق سے حدیث روایت کی ہے اور ان کے سوا بھی محدثین کی ایک بڑی جماعت سے حدیثیں روایت کیں۔"

امام صاحب کے حلقہٴ درس میں دو قسم کے طلبہ ہوتے تھے۔ (۱) طالبین فقہ۔ (۲) طالبین حدیث۔ فقہ کی جماعت میں امام زعفران شیخ الصوفی داؤد طائی، قاضی ابویوسف، الفقہ المحدث محمد بن حسن، اسد بن عمر بن زیادہ، فوح الجامع، ابوملح بلخی اور ان کے سوا اور طلبہ بھی تھے۔ امام صاحبؒ کے فقہ میں استاد حماد اور ان کے سوا دوسرے فقہاء بھی ہیں اور امام صاحب کے درس حدیث میں وکیع بن الجراح، یزید بن ہارون، سعد بن الصلت، ابو عاصم، عبدالرزاق، ابن

موسیٰ، ابونعیم، ابو عبد الرحمن اور ان کے سوا اے اور بھی بہت تھے جنہوں نے امام صاحب سے حدیثیں پڑھیں اور ان روایت کی۔ امام صاحب امام، عالم باعمل، عابد و زاہد تھے۔ اہل جلیل القدر علماء میں ہیں۔ سلاطین کی نذر و نیاز قبول نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ خود اپنا کسب کرتے تھے۔ ابن ہارون سے پوچھا گیا کہ امام ثوریؒ اور امام ابو حنیفہؒ میں کون زیادہ فقیہ ہیں اور سفیان کو حدیثیں زیادہ یاد ہیں۔ ابن مبارک کہا کرتے تھے کہ ابو حنیفہؒ سب لوگوں سے زیادہ فقیہ ہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ تمام فقہاء امام صاحب کے علمی فرزند ہیں۔ یزید کہتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ سے زیادہ میں نے کوئی پرہیزگار اور سمجھدار نہیں دیکھا۔ ابن معینؒ کہتے ہیں، ابو حنیفہؒ ثقہ ہیں۔ ان میں کوئی نقصان نہیں۔ ابن ہبیرہ نے امام صاحب کے سامنے منصب قضا پیش کیا۔ آپ نے اس سے صاف انکار کر دیا۔ امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ امام صاحب امام ہیں۔ قاضی ابویوسف فرماتے ہیں کہ ایک روز میں امام صاحب کے پیچھے جا رہا تھا تو ایک شخص بولا کہ یہ ابو حنیفہؒ ہیں جو رات بھر نہیں سوتے۔ امام صاحبؒ نے یہ سن کر فرمایا کہ خدا کی قسم! اب سے لوگ ایسی بات بیان نہ کریں گے، جو میں نہیں کرتا۔ اور اس کے بعد سے تمام رات نماز، اگر یہ اور دو ماہیں صرف کرتے تھے۔ اس امام کے مناقب کو میں نے جدا لکھا ہے۔"

علامہ ذہبی کی اس عبارت میں تین امور (۱) امام صاحبؒ کا کئی بار حضرت انسؓ کی زیارت کرنا۔ (۲) امام صاحب کے شیوخ حدیث (۳) امام صاحب کے شاگردان و راویان حدیث خاص طور پر غور و توجہ کے قابل ہیں۔

۲۔ علامہ ابن حجر شراح بخاری جن کی تحقیق و تنقید رجال کا پایہ آج

اوج کمال پر ہے۔ تہذیب التہذیب میں فرماتے ہیں کہ۔ "نعمان بن ثابت امام ابو حنیفہؒ نے حضرت انسؓ صحابی کی زیارت کی ہے اور عطاء، عاصم، علقمہ، حماد، حکم،

سلمہ، ابو جعفر، علی، زیاد، سعید حدادی، عطیہ، ابوسفیان  
عبدالکریم، یحییٰ اور ہشام سے حدیث پڑھی۔ اور روایت  
کی ہے۔ اور امام صاحب سے حماد، ابراہیم، حمزہ،  
زفر، قاضی ابوسف، ابویحییٰ، عیسیٰ، دکیع، یزید،  
اسد، حکام، خارجہ، عبدالمجید، علی، محمد، عبدلرزاق،  
محمد بن حسن، یحییٰ بن کسان، اباعلقمہ، نوح، ابو  
عبدالرحمن، ابولعیم، ابوعاصم، شیخ الحدیث عبداللہ  
بن مبارک، شیخ الزیاد، داؤد الطائی نے احادیث  
پڑھی اور روایت کی ہیں۔

ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ ثقہ ہیں اور اسی  
حدیث کو روایت کرتے ہیں بویاد ہوا درجو حدیث یاد نہ ہو  
بلکہ کتاب میں لکھی ہوئی ہو۔ اُسے روایت نہیں کرتے جیسے  
بعض محدثین کا دستور ہے کہ اپنی تحریر سے روایت کرتے  
ہیں۔ خواہ حدیث حفظ ہو یا نہ ہو۔ ابن قتان فرماتے ہیں کہ ہم  
محدثین نے ابو حنیفہؒ سے بہتر رائے کسی کی نہیں سنی۔ اور  
ہم لوگوں نے ان کے اکثر اقوال پر عمل کیا ہے۔ ابن داؤد کہتے  
ہیں کہ ابو حنیفہؒ پر طعن و قسم کے لوگوں نے کیا ہے۔ ایک  
اُن لوگوں نے جو ان سے ناواقف ہیں۔ دوسرے وہ جن کو  
ان سے حسد ہے۔

۳۔ علامہ صفی الدینؒ خلاصۃ التہذیب میں تحریر کرتے  
ہیں: ابو حنیفہؒ امام العراق

فقہ الامت نے عطا، نافع، اعرج اور ایک جماعت  
محدثین سے حدیث پڑھی اور ان سے روایت کی اور  
حضرت امام سے حماد، زفر، ابویوسف، محمد اور ایک  
جماعت نے حدیث پڑھی اور روایت کی۔ ابن معین  
نے ان کی توثیق کی۔ اور ابن المبارک کہتے ہیں کہ میں  
نے ابو حنیفہؒ کے مثل کسی کو فقیہ نہیں پایا۔ کی فرماتے  
ہیں کہ ابو حنیفہؒ اپنے زمانہ میں سب سے بڑے  
عالم تھے۔

پس کسی کے محدث ہونے کا اگر بھی معیار قرار دیا جائے  
کہ اس کے شیوخ حدیث کثرت سے ہوں اور بہت سے  
محدثین نے اس سے روایت کی ہو تو علامہ ذہبیؒ۔ علامہ  
ابن حجر شمس الاترہ۔ علامہ صفی الدینؒ نے بحولہ بالا تحریرات میں  
یہ کی بھی پوری کر دی۔

بعض اصحاب ان حالات سے ناواقفیت کی وجہ سے یا  
دانتہ چشم پوشی کر کے یہ کہتے سنے گئے ہیں کہ امام صاحب  
اگر محدث ہوتے تو امام بخاری ضرور ان سے روایت کرتے  
جن کی کتاب کا لقب اصح الکتاب بعد کتاب اللہ ہے۔

یہ درست ہے کہ امام بخاریؒ نے حضرت امام صاحبؒ  
روایت نہیں کی لیکن اس کا امام صاحب کے محدث ہونے  
پر کیا اثر ہو سکتا ہے۔ یہ امر مسلم ہے کہ اگر بھی ایسے  
محدث ہیں۔ جو باتفاق ائمہ ثقہ اور معتبر ہیں اور اپنے فضل  
و کمال میں بے نظیر۔ لیکن کسی وجہ سے امام بخاریؒ کی اُن  
تک رسائی نہیں ہوئی۔ اور ان سے روایت کرنے کا شرف  
انہوں نے حاصل نہیں کیا۔ مثلاً حضرت امام جعفرؒ جو امام حسینؒ  
کے پوتے ہیں اور جن کا لقب اپنے نانا حضرت صدیق کبیرؒ  
صادق ہے۔ جو خاندان نبوت کے ایک اعلیٰ رکن ہیں۔  
جن کی عظمت اور محبت ایمان کی بڑی نشانی ہے۔ جو ظاہر  
و باطن روایت و درایت کے جامع اور امام ہیں۔ صوفیہ اور  
محدثین دونوں ان کے دامن فیض سے تربیت یافتہ ہیں۔  
جن کی نسبت امام مالک کا قول ہے کہ میں نے اُن کو تین  
کاموں نماز، تلاوت قرآن مجید اور روزہ کے سوا چھ تھا کام  
کرتے نہیں پایا۔ ابن جان کہتے ہیں کہ امام جعفر صادقؒ جنی  
اللہ عنہ خاندان رسالت میں ثقہ اور فضل و کمال کے  
رکن رکین ہیں۔ جن کے ثقہ ہونے پر تمام امت کا اتفاق  
ہے۔ اور بے شمار علماء اور محدثین نے ان سے روایت  
کی ہے۔ خلاصہ میں ہے "وعند خلق لا یخصون"

امام بخاری کا ان سے روایت نہ کرنا، کیا اس امر پر

دلیل ہو سکتا ہے۔ کہ لغو بذاتہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے واقف نہیں تھے یا وہ معتبر اور ثقہ نہ تھے اور دوسری طرف کیا امام بخاری کا کسی سے روایت کرنا اسکی دینداری ثقاہت اور اعتبار کا ثبوت ہو سکتا ہے؟ مثلاً یونس بن جنان شیخ جو صحابہ کو گالیاں دیا کرتا تھا اور عرو بن عبسہ ثانی جو مرتے دم تک یزیدی کی صحبت پر قائم رہا اور یزید بن عثمان جو ہر روز بعد نماز فجر شاپ میر علیہ السلام پر شرب زہر انت کی شیعہ پڑھا کرتا تھا امام بخاری نے اگر ان سے روایت کی اور انکی شاگردی کی تو کیا یہ لوگ دیندار اہل کمال اور فن حدیث کے امام سمجھے جائیں گے؟ ہرگز نہیں! یتینا نہیں!

مہل یہ ہے کہ انبیائے کرام کے سوائے کوئی بھی معصوم نہیں۔ انسان خواہ فضل و کمال کے کیسے ہی اعلیٰ مرتبہ پر ہو، لیکن اسکا کسی محدث، عالم و فاضل و ثقہ سے روایت نہ کرنا ضروری نہیں کہ محض خلوص اور نیک نیتی کی بنا پر ہی ہو۔ بلکہ کوئی نفسانی خیال اور دلی کیفیت بھی اسکا باعث ہو سکتی ہے حضرت امام مالک کو دیکھو، جو فن روایت اور روایت دونوں کے امام ہیں۔ تمام محدثین صحاح ان سے تربیت یافتہ ہیں اور انکی نقش قدم پر چلتے ہیں جبکی سند سلسلہ انکو پہلاقی ہے اور جبکہ فضل و کمال پر امت کا اتفاق ہے۔ کتب صحاح میں انکی کثرت سے روایتیں ہیں خصوصاً تنقید الرجال میں انکا فیصلہ قطعی مانا جاتا ہے مگر وہ سیدین ابراہیم بن عبد الرحمن سے روایت نہیں کرتے حالانکہ سند کے ثقہ ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور محدثین نے نہایت کثرت سے ان سے روایت کیا ہے (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۳) لیکن امام مالک کے ان سے روایت نہ کرنے کی وجہ ابن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ سونے مالک کے نسب میں کچھ کلام کیا تھا، ورنہ سونے مالک ثقہ اور معتبر ہیں (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۳) ان حالات میں کیا محض امام مالک کا سند روایت نہ کرنا سونے کی دیانت و اعتبار کے خلاف کوئی شہ ڈال سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ چنانچہ جب امام احمد بن حنبل نے کہا کہ سند معتبر نہیں تو لوگوں نے یہی اعتراض پیش کیا کہ امام مالک تو ان سے روایت نہیں کرتے اپرا امام احمد نے جواب دیا کہ مالک کی کون سنتا ہے۔ سونے نیک آدمی اور معتبر ہیں (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۳) اس بنا پر حنفی نے ابن عیین سے کہا کہ امام مالک کو دیکھو کہ سونے جو سرداران قریش سے مہیا کلام کیا اور ثور اور داؤد سے جو خارجی غیبت ہیں، روایت کی (حوالہ مذکور) اسی طرح امام بخاری کاشیخوں اور یزیدیوں اور خارجیوں سے روایت کرنا اور امام اعظم سے روایت نہ کرنا کسی خاص

اندوئی وجہ پر محمول ہو سکتا ہے اور اس سے امام صاحب کی ثقاہت، اعتبار اور فن حدیث کے امام ہونے پر حرف نہیں آ سکتا۔ اسکے مقابل میں چند ایسے کبار حدیث کے نام لکھے جاتے ہیں جو امام بخاری کے استادوں میں مگر امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں سے ہیں:- (۱) عبدالغفار بن داؤد بن ہبران ابو صالح۔ نہایت ثقہ اور معتبر ہیں۔ امام بخاری نے ان سے روایت کی اور یہ امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں اور امام صاحب انہوں نے روایت حدیث کی ہے (۲) عبد الحمید بن عبد الرحمن الحکام۔ بڑے محدث ہیں امام بخاری کے استاد اور امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں۔

(۳) عبد اللہ بن یزید القعیر مولیٰ آل عمر بن شتر صدیق، شیعہ بن مہدی الاموی۔ بڑے محدث فقیہ اور معتبر ہیں۔ امام بخاری و امام مسلم دونوں نے ان سے روایت کی ہے۔ امام ابو حنیفہ کے شاگرد اور حنفی ہیں۔ اور ان سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ (۴) یحییٰ بن ابراہیم امام الحنفیوں اور حافظ الحدیث ہیں امام صاحب کے شاگرد ہیں تمام ارباب صحاح اور امام بخاری نے ان سے روایت کی ہے اور یہ امام صاحب کے ثقہ کرتے ہیں۔ (۵) عبد اللہ بن ابی لیلیٰ۔ فن حدیث کے بڑے دکن اور حافظ الحدیث ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں اور ان سے روایت کرتے ہیں مگر امام بخاری کے بڑے شیوخ اور استادوں میں سے ہیں (۶) وکیع بن الجراح۔ کبار حنفیوں میں۔ اور فن حدیث کے امام ہیں۔ امام بخاری اور تمام ائمہ صحاح نے ان سے روایت کی ہے۔

اور یہ امام ابو حنیفہ کے شاگرد و مقلد ہیں۔ (۷) یحییٰ بن سعید القطان۔ امام فن، حافظ الحدیث، فن رجال کے مفتی، امام بخاری کے استاد ہیں اور ابو حنیفہ کے شاگرد اور ان سے روایت کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ ادو بجلی بہت سے ائمہ حدیث اور حفاظ حدیث ہیں جنہوں نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے۔ جیسے عبد الکیم بن محمد الجرجانی قاضی جرجان، عبد العزیز بن خالد بن زیاد الترمذی، عبد الرحمن بن عبد اللہ حماد بن دلیل المدائنی، یحییٰ بن معروف اللاسی، یحییٰ بن عبد الرحمن قاضی نیشاپور (دیکھو تہذیب التہذیب تذکرۃ الحفاظ خلاصہ التہذیب وغیرہ) علامہ ابن قیم (علامہ المؤمنین میں لکھتے ہیں:- یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے اپنے شہر کے تمام محدثین کی حدیثیں جمع کی ہیں اور ان احادیث میں ان حدیثوں کو معلوم کیا۔ جو حضور رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کے وقت معمول رہا تھیں یعنی جو آپ آخری قول اول تھا:-

علامہ ابن قیمؒ کے ان جملوں کو پڑھو اور غور کرو۔ جبکہ ایک ایک حرف امام ابو حنیفہ کے امام فن حدیث اور انکی احتیاط و تحقیق پر شاہد ہے اور اس سے بھی ثابت ہے

کہ فقہ حنفی بتا جا احادیث پر مبنی ہے۔

سفیان بن عیینہ کوئی کی نسبت امام شافعی فرماتے ہیں کہ امام مالک و سفیان کی ہی بدولت حجاز میں علم پھیلا۔ (تہذیب التہذیب ص ۱۱۰ ج ۳)  
ابن مہدی کہتے ہیں کہ اہل حجاز کی حدیثوں کا سفیان سے بڑھکر کوئی عالم نہ تھا۔ (ایضاً ص ۱۳۱ ج ۳)

امام احمد کہتے ہیں کہ میں نے سفیان سے بڑھکر کسی اور کو قرآن و حدیث کا عالم نہیں پایا۔

ابن خلکان میں لکھا ہے کہ یہ سفیان بن عیینہ جب کوفہ میں آئے تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اہل کوفہ سے فرمایا کہ آج یہاں حافظ الحدیث عمر بن دینار کے علم کا فضا و غل ہوا۔ امام صاحب کا یہ فرمان کو سفیان کے علم کی سند تھی چنانچہ تمام اہل کوفہ یکبارگی انکی طرف متوجہ ہوئے اور انکے حلقہ درس میں شامل ہو کر حدیث سننے لگے۔ اس پر سفیان بن عیینہ نے فرمایا: "ادل من صیدی" سچا دانا ابو حنیفہ یعنی سب سے پہلے جس نے مجھے محدث ہونے کا تمہ دیا وہ ابو حنیفہ ہیں اس سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ صرف محدث ہی نہیں بلکہ محدث گزشتہ تھے اور فن حدیث کے متعلق آپکے فرمانے کو اہل کوفہ کتنا مستند سمجھتے تھے۔

امام فن رجال و حدیث شعبہ کے متعلق امام صاحب فرمایا کرتے تھے نعم حشو المصرو یعنی شہر کو خوب علم سے ملبس فرمایا (تہذیب التہذیب ص ۱۱۰ ج ۳)  
حمزہ بن حبیب قاری کو امام صاحب فرمایا کرتے تھے غلب حمزہ الناف علی القرآن والقرآن یعنی حمزہ قرآن اور میراث کے علم میں لوگوں پر غالب آگیا ہے (تہذیب التہذیب ص ۱۱۰ ج ۳)

غور کرو کیا کابل فن امام کے سوائے کوئی اور شخص بھی ائمہ فن کے علم کے متعلق ایسی تنقید اور رائے قائم کر سکتا ہے؟

## نتیجہ

ان اوراق میں ایک واقعہ نگار کی حیثیت سے نہایت دیانت اور احتیاط کے ساتھ واقعات و روایات اور اقوال سلف صالحین کو ایک ترتیب کے ساتھ پیش کر کے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث و افی کے متعلق اور ذیل پر بحث کی گئی ہے۔

(۱۱) امام صاحب کے دقت دار العلوم کو فنی حالت (۲۱) اس وقت

کا نصاب تعلیم (۳۱) امام صاحب کی فہم و فراست (۴۱) امام صاحب کے شیوخ و اساتذہ (۵۱) علامہ شمس الدین دہلوی۔ ابن حجر اور شمس العلماء صنفی الدین کی کتب رجال سے امام صاحب کے محدث ہونے کا ثبوت (۶۱) اعلام سے امام صاحب کی جمع حدیث کی کیفیت اور نسخ و منسوخ کا فیصلہ (۷۱) ائمہ حدیث کا امام صاحب احادیث روایت کرنا (۸۱) ائمہ حدیث کے علم و فن کی نسبت امام صاحب کی رائے اور تنقید (۹۱) امام صاحب کے شاگردوں کا حال جو بجائے خود امام فن تھے اور جلیل القدر محدثوں کے استاد ہوئے۔

اب آپ منظر انصاف ان واقعات سے حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث و افی کے متعلق مناسب فیصلہ خود کر سکتے ہیں بضمون طویل تھا۔ مگر اختصار کی کوشش کی گئی۔ بقول لیکہ:-

اندکے باتو بگفتیم و بدل ترسیم  
کہ دل آرزوہ شوی، ورنہ سخن بیکارت

اپنے دوستوں اور خصوصاً مخالف رائے رکھنے والے اصحاب کی خدمت میں پھر بادب التجا ہے کہ آپ حضرت ان واقعات و تجربات کو منظر عین حق و تحقیق و صداقت کو مد نظر رکھکر ملاحظہ کریں اور لید انصاف فرمائیں کہ ان شواہد کے ہوتے ہوئے کیا کوئی عاقل و ذی علم انسان ایک سیکند کے لئے بھی سیدنا سراج الامم حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے امام الحدیث اور وارث علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے متعلق شک و شبہ کر سکتا ہے؟ پھر جن صاحبان نے ناواقفیت یا غلط فہمی یا کسی اور وجہ سے حضرت امام صاحب کے متعلق غلط خیالات قائم کئے ہیں۔ انکو اس سے رجوع کرنا چاہیے۔ جو نیک حق کا کام یہ ہے کہ حق واضح ہو جانے کے بعد فوراً اسے قبول کر لے اور بدگمانی سے بچے۔ آخر رب العزہ جل جلالہ کی درگاہ بے نیاز میں جانا ہے۔ آئندہ اختیار ہے

من آنچہ شرط بلاغ است یا تو میگوئم

تو از نصیحت من پند گیر و خواہ ملال

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین و الصلوٰۃ و السلام علی سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین و برحمتہ  
یا رحمہم الراحمین۔







# کتاب بہترین رفیق ہے

**خاکساری فتنہ** | خاکساری لعنت کے خلاف یہ پہلی کتاب ہے جس نے ہندوستان کے علماء کرام کو

بیدار کیا جس کو پڑھ کر ہزاروں مسلمانوں کا ایمان مشرقی نجد کی دستبرد سے محفوظ ہو گیا۔ اور جس کو دیکھ کر خاکساروں کی تعداد کثیر نے خاکساریت سے توبہ کی۔ اس کتاب کی مقبولیت عام کا اندازہ اس واقعے ہو سکتا ہے کہ سارے تین سال کے سفر میں چار دفعہ ہزاروں کی تعداد میں طبع ہو کر ہاتھوں ہاتھ نکل گئی یہ پانچواں ایڈیشن ہے، جس کے ۹۲ صفحات ہیں۔ قیمت فی نسخہ تین آنے محصول ڈاک ایک آنہ۔

**خاکسار تحریک ہند** | مؤلف مولانا محمد منظور صاحب لغانی۔ اس لا جواب کتاب میں مذہبی اور سیاسی دونوں حیثیت

سیاست کی روشنی میں سے خاکسار تحریک کے تمام گوشوں کو اس خوبی سے بے نقاب کیا گیا ہے کہ زبان سے بے اختیار صدائے مرجا نکلتی ہے۔ قیمت علاوہ محصول دس آنے

**عیسائیت کے دو پردے** | اس رسالہ میں مرزائیت اور خاکساریت کا دلچسپ مواد

کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ یہ دونوں جماعتیں عیسائیت کے خود کاشتہ پردے ہیں۔ ایک کالم میں مرزائی لٹریچر کی اردہ سرکہ میں خاکسار لٹریچر کی عبارتیں باور دلچ ہیں قیمت دو آنے محصول ڈاک ایک آنہ

**نوٹ** | خاکسار تحریک اور مشرق کے عقائد کی تردید میں ہمارے ہاں سے آدھ بھی چند رسائل مل سکتے ہیں۔

**رسالہ مجددیہ** | یعنی حضرت سیدنا مجدد الف ثانی سرہندی قدس سرہ کے ان مضامین کا اردو ترجمہ، جو

حضرت نے روافض ایران کے اعتراضات کے جواب میں تحریر فرمائے تھے اور جن کو پڑھ کر بہت سے ایرانی شیعہ تائب ہو گئے تھے قیمت علاوہ محصول ڈاک آٹھ آنے۔

**تذکرہ مشائخ نقشبندیہ** | ۵۲۰ صفحات کی ضخیم کتاب۔ مولانا محمد نور بخش

صاحب ایم، اسے تو کلی کی تصنیف ہے جس میں حضرات مشائخ نقشبندیہ کے کیف اور حالات و ملفوفات درج ہیں۔ علاوہ محصول ڈاک قیمت دو روپیہ۔

**نماز اور خطبہ کی زبان** | اس میں مولانا محمد منظور لغانی نے کتاب و سنت اور سیاست

کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ نماز، خطبہ اور اذان کو خاص عربی زبان ہی میں ادا کرنا چاہیے قیمت علاوہ محصول ڈاک صرف دو روپے

**الجواب المبین** | باقاعدہ سید المرسلین اس کتاب میں تقریباً سو سو سوالات کے جوابات صحیح

احادیث سے دیئے گئے ہیں۔ معاملات، عبادات اور ہر قسم کے مسائل متفرق اس میں موجود ہیں قیمت علاوہ محصول ڈاک صرف پانچ آنے

**التصویر الاحکام التصویریہ** | تصویر کا شرعی حکم مدلل پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ بعض اور

نقلی و دونوں قسم کے دلائل کا دلچسپ مجموعہ مولانا محمد شفیع صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند قیمت علاوہ محصول ڈاک ۱۲

تمام کتابیں ملنے کا پتہ: پیرزادہ ابوالضیاء محمد بہاء الحق قاسمی۔ گلوالی دروازہ۔ امرتسر۔